New Era Magazine
NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
کملی
از قلم زید ذوالفقار
www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکمل ناول)

کملی

از زید ذوالفقار

(

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

سورج کی نوخیز زرد زرد سی کرنیں سر کے بل صحن میں اتر رہی تھیں۔ صبح کی مدہوش کرتی ہوا میں سمائی ٹھنڈک ان کرنوں میں چھپی حدت سے ہارنے لگی تھی۔ بڑے آنگن کے وسط میں لگا نیم کا بوسیدہ درخت خاموش تھا۔ اسکی دور تک پھیلی ڈالیوں پہ چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ ان کی چوں چوں سے سارا آسمان گونج رہا تھا۔ گلابوں کی کیاری میں ڈوڈیاں پھول ہونے کو مچل رہی تھیں۔ زرد زرد گیندے کے پھولوں کی تیز باس اعصابوں کو بوجھل کرتی تھی۔ کئی تتلیاں اور بھنورے ان پہ منڈلاتے پھر رہے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE

"آج تو بڑا ہی سخت دن طلوع ہوا ہے۔ اللہ خیر ہی کرے۔۔۔۔۔"

وہیں برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھی ماہ نور نے گرمی سے گھبرا کے سوچا تھا۔ چھت والا پنکھا اپنی ساری قوت صرف کرنے کے باوجود تپش کو بھگانے میں ناکام تھا۔ وہ پاس ہی تخت پہ لیٹے ننھے وجود کو پنکھا جھلنے لگی تھی۔

"میرا پتر۔۔۔۔۔ میرا شونا۔۔۔۔۔"

بچہ اسے دیکھ کر مسکرایا اور غوں غاں کرنے لگا تھا۔ وہ بھی ہنس پڑی اور اسکے ساتھ لاڈ کرنے لگی تھی۔ پھر کچھ یاد آنے پر اس نے آواز لگائی تھی۔

"نی حلیمہ! لسی تیار کرلی ہے؟؟؟؟ عادل سائیں آنے والے ہوں گے"

باورچی خانے سے وہ فربہی عورت باہر آئی تھی۔

"جی باجی۔ لسی تیار ہے"

"اچھا اب تندور تاپ لے۔ ان کے آتے ہی روٹی لگالینا۔ پتہ ہے ناں وہ تازی روٹی پسند کرتے ہیں"

"ٹھیک ہے باجی"

"اور شائلہ کو کہہ کے کولر لگادے۔ مرتضیٰ کو دودھ پلا کر میں اندر ہی سلاؤں گی، باہر تو بڑا اسیک (گرمی) ہے"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور چلی گئی تھی۔ وہ واپس بچے کو پنکھا کرنے لگی تھی۔

"آج تو بڑا ہی سناٹا ہے حویلی میں۔ رب خیر کرے"

اس نے سوچا تھا۔

ویسے بھی وہاں اور ہوتا کون تھا۔ عادل، وہ اور انکا چند ماہ کا بیٹا۔ حلیمہ اور اسکی دو بیٹیاں صبح سویرے آتی تھیں، سارے کام کاج نمٹا کے رات گئے واپس لوٹتی تھیں۔

دھوپ اب اندرونی دیوار کے ساتھ ساتھ بنی کیاریوں تک آچکی تھی۔ سبز مرچوں کے سر اٹھاتے پودے، پودینے کے کیارے اور دھنیے کے جھنڈ زرد دھوپ میں نہا چکے تھے۔

"عادل سائیں آئے نہیں ابھی تک۔ خدا خیر کرے"

اس نے پھر سے سوچا اور تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اُس کچی سڑک پہ دھول کا مرغولا اٹھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جیپ اس کچے راستے پہ گرد اڑاتی، تیزی سے رواں تھی۔ ڈرائنگ سیٹ پہ موجود وہ تینتیس چونتیس سالہ مرد عادل مقصود تھا۔

چہرے پہ مونچھیں۔۔۔۔کلین شیو۔۔۔۔ایک رعب۔۔۔۔ماتھے پہ بل۔۔۔۔سیاہ آنکھیں۔۔۔۔سفید کلف زدہ لباس۔۔۔۔رعب دار شخصیت۔۔۔۔۔

اسکی جیپ کا رخ گاؤں سے زرا آگے ڈیرے کی طرف تھا۔ ڈیرے کا گیٹ چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی کھول دیا تھا۔ وہ جیپ کھڑی کر کے اترا اور دبدبے سے چلتا اندر آیا تھا۔

وہاں وہ آدمی سر جھکائے کھڑا تھا۔اسے دیکھ کر سر اٹھایا اور ہاتھ جوڑے تھے۔

"سائیں رحم کریں، معاف کر دیں۔میری جوان دھی ہے،اسکی عزت خراب ہو جائے گی۔سائیں ایسے نا کریں،ایسے۔۔۔۔۔"

اس نے نخوت سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ جوان دھی تجھے اس وقت یاد نہیں آئی اللہ بخش جب تو نے میرے منہ پہ ناں ماری تھی؟میں نے کتنے آرام سے تجھ سے بات کی تھی۔وہ تیرا زمین کا ٹوٹا،سونے کا تھا جو اس پہ اکڑ رہا تھا؟؟؟؟؟؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ بوڑھا آدمی ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اسکی آنکھوں میں پانی تھا

"تیری اوقات سے بڑھ کے قیمت لگائی میں نے اس زمین کی اور تو۔۔۔۔۔۔۔تو نے اچھا نہیں کیا عادل مقصود کو ناں بول کے اللہ بخش۔۔۔۔۔"

"مجھ سے میرا سب کچھ لے لیں سائیں، زمین گھر بار سب،میری دھی کو چھوڑ دیں۔۔۔اللہ رسول ص کا واسطہ ہے آپکو۔۔۔۔"

اس نے آگے بڑھ کے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"ناں۔۔۔ظلم نہیں کرتا میں۔۔۔تجھ سے بس زمین کا وہ ٹوٹا لوں گا اور قیمت بھی پوری دوں گا۔۔۔تو فکر نا کر۔۔۔اور تیری دھی، وہ میرے اس رضا کو بڑی پسند آگئی ہے۔۔۔"

وہ آدمی اسکے پیروں میں گر پڑا تھا۔

"سائیں نہیں۔۔۔ایسے نا کریں۔۔۔سائیں اسکی بات طے ہو گئی ہے۔۔۔ایسے ظلم نا کریں سائیں۔۔۔۔"

وہ اپنے پیچھے کھڑے رضا کو دیکھ کر ہنسا اور آنکھ ماری تھی۔

"چل بس کر اب۔۔۔ڈرامے نا کر۔۔۔کل کو تیری دھی تیرے گھر ہو گی۔۔۔آج رات وہ ہماری مہمان ہے۔۔۔چل اٹھ جا۔۔۔۔"

وہ آگے بڑھا تھا۔

"اوئے فضل، چاچے کو کھلا پلا کر گھر بھیجنا۔۔۔۔"

وہ باہر نکل آیا تھا۔ پیچھے وہ آدمی زمین پہ بیٹھا بلکتا رہ گیا تھا۔

"سارا سامان رکھ لیا ہے ناں تو نے پتر ؟ اپنے کاغذات ؟؟؟ سارے پورے ہیں ناں ؟؟؟؟؟"

اماں نے ایک بار پھر اسکو یاد دہانی کروائی تھی۔ باسط نے اثبات میں سر ہلایا تھا

"جی اماں سب رکھ لیا ہے۔ بس ایک چیز رہ گئی ہے"

وہ زرا رکا اور آگے بڑھ کر انہیں ساتھ لگایا تھا

"میری ماں کی دعائیں"

انہوں نے اسکا ماتھا چوم لیا تھا

"مائیں تو اپنی ہر سانس کے ساتھ اولاد کے لیئے دعائیں کرتی رہتی ہیں جھلیا۔۔۔۔۔"

انکی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"اپنا بہت خیال رکھنا شہر میں۔۔۔ ویلے کے ویلے فون کرتے رہنا۔۔۔"

"اور آپ بھی اپنا خیال رکھیئے گا۔ وقت پہ کھانا اور دوا۔۔۔۔"

باسط نے جھک کر بیگ اٹھایا اور کندھے پہ ڈالا تھا۔

وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا تایا جی کے پورشن میں آیا تھا۔ وہاں اعجاز بھائی اسی کے انتظار میں تھے۔

"جلدی کر چھوٹے ویر، بس نکل جائے گی پھر"

وہ اسکا سامان لیکر باہر نکل گئے تھے۔

"فی امان اللہ"

اماں دیر تک اس پہ پڑھ پڑھ کے پھونکتی رہی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ڈاکٹر زین اپنے آفس میں تھے جب ان کے پیون نے وہ پیکٹ انہیں لا کر دیا تھا۔

"سر یہ ڈی این اے ٹیسٹ رپورٹس جو پرسوں آپ نے سیمپل بھیجے تھے"

"اوہ اچھا۔۔۔۔دکھاؤ مجھے"

انہوں نے پیکٹ کھولا اور وہ رپورٹس دیکھنے لگے تھے۔ انکے چہرے پہ وہ عجیب سے تاثرات نمودار ہو چکے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے وہ نمبر ملایا تھا۔

"السلام علیکم عادل سائیں۔۔۔۔۔"

انہوں نے فون کان سے لگایا

"جی جی سب ٹھیک الحمدللہ۔۔۔۔۔سائیں آپکی رپورٹس آگئی ہیں، آپ کہیں تو میں شام کو لیکر حاظر ہو جاتا ہوں"

انہوں نے وہ رپورٹ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں نہیں کیسی باتیں کرتے ہیں سائیں، تکلیف کیسی۔۔۔۔ چلیں پھر میں کل شام میں آؤں گا۔۔۔۔۔جی جی ان شاءاللہ۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انہوں نے فون میز پہ ڈالا اور ایک بار پھر سے وہ رپورٹس دیکھنے لگے تھے۔

دور تک سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں۔

کچھ عورتیں بیٹھی سیپارے پڑھ رہی تھیں۔کچھ گھٹلیوں پہ ورد کر رہی تھیں۔سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، آنکھیں موندے مضمحل سی وہ لڑکی بیٹھی تھی۔

نکھری سی رنگت۔۔۔متورم ہو چکی آنکھیں۔۔۔۔لال ناک۔۔۔۔ماتھے پہ گرے

بال۔۔۔۔

"ساریہ بچے۔۔۔۔۔اٹھو۔۔۔۔ہوش کرو"

وہ عورت اسکے پاس آبیٹھی تھی اور رسان سے اسکا کندھا ہلایا تھا۔

"جانے والی تو چلی گئی، کب تک یوں روتی رہو گی۔خود کو سنبھالو،ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی بچے"

اسکی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگی تھیں

"مجھے پتہ ہے ماں کی موت سے بڑا دکھ اور کوئی نہیں ہوتا۔ثوبیہ میری بہن تھی، میری بڑی بہن جو میری ماں کی جگہ تھی۔ہم سب کا دکھ ایک ہی ہے ساریہ بیٹا۔لیکن یہ زندگی ہے۔یہ چلتی رہتی ہے۔جانیوالے چلے جاتے ہیں اور پیچھے رہ جانیوالوں کو جینا ہی پڑتا ہے"

انہوں نے اسے ساتھ لگالیا تھا۔

"بس میرا بچہ۔۔۔۔بس صبر کرو۔۔۔۔اٹھو کچھ کھالو۔۔۔کل سے یونہی بھوکی پیاسی ہو۔۔۔۔بس میرا بیٹا۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اسے دیر تک دلاسے دیتی رہی تھیں۔

ماہ نور نے چنگیر میں روٹی نکال کر اسکے سامنے رکھی تھی۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھانے کے لئیے آن بیٹھا تھا۔ کہنیوں تک مڑے ہوئے کف، شکن زدہ لباس۔

"مرتضیٰ کہاں ہے؟؟؟"

اس نے پہلا لقمہ لیا اور اسے دیکھا تھا

"اسے سکا دیا ہے سائیں۔ صبح سے تو کھیل رہا تھا۔"

وہ خاموشی سے کھانے لگا

"اندر گرمی بہت ہونے لگ گئی ہے۔ اے سی خراب پڑا ہے تین دن سے۔ وہ بے چین رہتا ہے"

"ہاں میں نے کہا ہے ڈرائیور سے۔ شہر سے لیکر آئے گا وہ آدمی۔ آج ہو جائے گا ٹھیک"

اس نے لسی کا گلاس بھرا اور اسکے سامنے کیا

"کاکے کے لئیے کپڑے بھی لینے ہیں میں نے۔سارے چھوٹے ہو گئے ہیں۔آتے ہی نہیں ہیں"

اس نے ہنکارا بھرا تھا۔

"لے لینا۔ڈرائیور کو کہہ دوں گا میں،تجھے لے جائے گا شہر۔۔۔۔"

تبھی مرتضیٰ رونے لگا تھا۔وہ اسے دیکھنے کو اٹھ گئی تھی۔

باسط نے بیگ کو کندھے پہ منتقل کیا اور دوسرا سفری بیگ زمین پہ چھوڑا تھا۔سامنے اسکی منزل تھی۔

"یونیورسٹی آف پنجاب"

اس نے تمکنت سے ایستادہ بورڈ کو دیکھا تھا اور ایک لمبی سانس بھری تھی۔

"لیں ابو جی! پہنچ گیا میں یہاں۔۔۔۔۔"

اس نے ہولے سے کہا تھا۔

وہ درس گاہ جو اسکی منزل تھی۔وہ درس گاہ جو اسکی مسافت تھی۔اسکے باپ کی اسکے لیئے آخری خواہش اور آخری وصیت۔

"بہت سارا پڑھنا۔وڈا آدمی بننا۔میرے پتر پہ سارے پنڈ رشک کرے گا۔میرا باسط۔۔۔۔"

وہ خود اس سب کی بس خواہش کر سکے تھے۔وہ بس اس سب کے خواب دیکھ سکے تھے لیکن وہاں تک پہنچ نہیں سکے تھے۔اسی لیئے انہوں نے وہ سب خواب اپنے اکلوتے بیٹے کے لیئے رکھ چھوڑے تھے۔ان کے جانے کے بعد اماں نے وہ سب خواب زندہ رکھے تھے۔روز کسی فرض عبادت کی طرح اسے یاد کروایا تھا کہ اسے پڑھنا ہے اور بڑا آدمی بننا ہے۔وہ سب خواب بڑے تایا نے مرنے نہیں دیئے تھے۔انکے اپنے چھ بیٹے تھے لیکن پڑھائی میں کوئی بھی تیز نہیں تھا۔بمشکل میٹرک پاس اور زمین داری میں لگ گئے۔ماہ نور کالج تک گئی ضرور تھی لیکن پھر اسکا بھی بیاہ ہو گیا۔تو وہ خاندان کا پہلا لڑکا تھا جو یونیورسٹی تک پہنچا تھا۔

"بسم اللہ"

اس نے بیگ اٹھایا اور اندر جانے کے لیئے آگے بڑھ گیا تھا۔

نارنج شام ہولے ہولے ہر شے کو اپنی آغوش میں بھر چکی تھی۔دور تک پھیلے کھیتوں پہ تنا آسمان سنہری روشنیوں سے تمتمایا ہوا تھا۔پرندوں کے غول کے غول اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔اس لمبی سی سڑک پہ بکریوں کا ریوڑ دھول اڑاتا رواں تھا۔

ڈاکٹر زین نے بار بار ہارن بجایا تھا۔سست روی سے چلتا ریوڑ ایک نہیں سن رہا تھا۔

"سائیڈ پہ کر لو یار انہیں۔۔۔"

انہوں نے چرواہے سے کہا تو وہ انہیں ہانکنے لگا۔زرا سا راستہ بنا جہاں سے وہ گاڑی دوڑا لے گئے تھے۔انکی منزل گاؤں کے وسط میں بنی وہ حویلی تھی جہاں مہمان خانے میں چوہدری عادل انکے انتظار میں تھا۔

انہیں دیکھ کر وہ اٹھا اور تپاک سے گلے ملا تھا۔

"تم نے زحمت کی ڈاکٹر، ہمیں بلوا لیتے شہر۔ویسے بھی ہم سادہ دیہاتی لوگ ہیں، یہ رپورٹیں وغیرہ ہماری سمجھ میں کہاں آتی ہیں"

ماہ نور نے چائے کے لوازمات سے سجی ٹرے اندر بجھوائی تھی اور خود وہیں بر آمدے

میں ٹھہر گئی تھی۔

"آپ دوست ہیں سائیں۔دوستوں میں کیسی زحمت۔میں نے پہلے انہیں ڈاک سے ہی بھجوانے کا سوچا تھا لیکن پھر مجھے یہی مناسب لگا کہ یہ رپورٹس لیکر میں خود حاظر ہو جاوں"

ڈاکٹر زین نے وہ فائل بیگ سے نکالی اور اس میں سے وہ کاغذات نکالنے لگے تھے۔

"ایسا کیا ہو گیا ڈاکٹر؟؟؟؟سب خیر تو ہے ناں؟؟؟"

انہوں نے ایک لمبی سانس بھری تھی۔

"نہیں چوہدری صاحب۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

وہ زرا رکا تھا۔

"پہلے بلڈ گروپ پہ مجھے شک ہوا تھا لیکن اب ڈی این اے رپورٹ نے ثابت کر دیا ہے۔"

وہ عادل کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"آپکی وائف کا بلڈ گروپ بی پوزیٹیو ہے جبکہ اپکا بلڈ گروپ او نیگیٹو ہے۔اب سائیں

بی پوزیٹیواوراو نیگیٹو کا کمبینیشن کبھی اے بی پوزیٹیو نہیں ہوتا لیکن آپکے بیٹے کا بلڈ گروپ اے بی پوزیٹیو ہے۔اسی بات نے مجھے مشکوک کیااور میں نے آپکو ڈی این اے ٹیسٹ کا مشورہ دیا تھا"

وہ کہتے چلے گ ئے تھے۔

"ہر انسان کا ڈی این اے سیکو ئینس ایک خاص طرح کا ہوتا ہے جو کہ دوسرے انسان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔لیکن یہی ڈی اے این کا سٹر کچر ایک نسل میں کچھ مماثلت ضرور رکھتا ہے۔والدین کے ڈی این اے کی بہت ساری چیزیں بچوں میں ملتی ہیں، مطلب آپ کہہ سکتے ہیں کہ بچے کا ڈی این اے باپ کا عکس ہوتا ہے۔لیکن اپکے اور مرتضیٰ کے کیس میں ایسا نہیں ہے۔اسکے اور آپکے جینوم میں کوئی مماثلت نہیں ہے "

"اس ساری بکواس کا مطلب کیا ہے؟؟؟؟؟"

عادل پھنکارا تھا۔وہ کچھ دیر کو چپ رہ گ ئے تھے۔

"چھوٹا منہ بڑی بات سائیں۔گھر کی بات تھی تو میں نے گھر میں کرنی مناسب سمجھی

اور اسی لیئے میں گاوں چلا آیا۔ میرے منہ میں خاک لیکن سچ یہی ہے سائیں۔۔۔۔وہ آپکا خون نہیں ہے"

برآمدے میں کھڑی ماہ نور کو زور کا چکر آیا تھا۔اس نے سہارے کے لیئے ستون کو تھامنا چاہا تھا۔اندر چوہدری عادل نے غصے سے پھنکارتے ہوئے ڈاکٹر زین کا گریبان جکڑا تھا۔

"تیری اتنی ہمت۔۔۔۔تو میری اولاد کے بارے میں بکواس کر رہا ہے۔۔۔تو میرا مہمان نا ہوتا تو میرا تیرا قتل کر چکا ہوتا۔۔۔۔"

وہ بمشکل سانس لے پا رہے تھے۔

"میں آپکا خیر خواہ ہوں سائیں۔ میں کسی پہ بہتان کیوں باندھوں گا۔میں اڈی لیئے رپورٹس لیکر آیا ہوں۔اپ کسی کو بھی دکھا لیں، چیک کروالیں۔آپکی وائف پڑھی ہوئی ہیں، بیشک وہ دیکھ لیں۔یہ سچ۔۔۔۔۔۔"

عادل نے انہیں صوفے پہ پٹخ دیا تھا۔

وہ جس وقت کام نمٹا کر دفتر سے نکلا تو سیاہ آسمان پہ سرمئی بدلیاں جمع ہو رہی تھیں۔ چاندی کی بوندوں جیسے ننھے ننھے ستارے انکی اوٹ میں چھپ چکے تھے۔

"کرم داد۔۔۔۔۔کرم داد"

اس نے چوکیدار کو آواز دی اور لائٹیں آن کی تھیں۔

"جی عباس صاحب"

چوکیدار بھاگا ہوا آیا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے؟؟؟دیکھو پرائمری حصے کے سارے کمرے کھلے پڑے ہیں۔ تالے کیوں نہیں لگوائے ابھی تک؟؟؟؟"

"اسلم کی ڈیوٹی تھی جی آج۔اسکی چاچی کی طبیعت خراب ہو گئی تو اسے لیکر شہر گیا ہے۔"

وہ سر ہلا کر رہ گیا

"آپ فکر نا کریں۔میں لگا دیتا ہوں"

"ہاں جلدی کرو۔موسم خراب ہو رہا ہے۔کھڑکیاں بھی چیک کر لینا۔اور میرے

دفتر کے سامنے جو ہال ہے وہ بھی چیک کر لینا"

"جی ٹھیک ہے عباس صاحب"

اس نے تابعداری سے کہا تھا۔

وہ چابیوں کا گُچھا جیب میں ڈالتا سکول سے نکلا تو ہلکی ہلکی نو خیز ہوا ہولے ہولے جوان ہو رہی تھی۔اسکے آثار بتا رہے تھے کہ اسکے شباب میں قہر چھپا ہوا تھا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی گاڑی تک آیا تھا۔

____

"عادل سائیں میری بات کا اعتبار۔۔۔۔۔۔"

اس نے ماہ نور کے منہ پہ تھپڑ دے مارا تھا۔وہ ششدر رہ گئی تھی۔وہ غصے میں کانپتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"زلیل عورت۔تجھے شرم نہیں آئی اپنے شوہر کی عزت کو یوں نیلا کرتے ہوئے۔۔۔۔بے حیا۔۔۔۔بے غیرت"

"میں نے کچھ نہیں کیا سائیں میرا۔۔۔۔۔"

عادل نے اسے چٹیا سے پکڑ کے دھکا دیا تھا۔وہ برآمدے کے سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی صحن میں جا گری تھی۔سیڑھی کا کونا اسکے پیٹ میں گھس گیا تھا۔تکلیف کی شدت سے وہ بلبلا اٹھی اور پیٹ پہ ہاتھ رکھے وہیں فرش پہ دوہری ہوگئی تھی۔

"آوارہ۔۔۔فاحشہ۔۔۔کیا نہیں دیا میں نے تجھے۔۔۔گھر بار۔۔۔عزت۔۔۔روپیہ پیسہ۔۔۔اچھا کھانا،اچھا اوڑھنا پہننا۔۔۔۔کس شے کی کمی تھی تجھے جو تو نے یوں میری عزت کا جنازہ نکال دیا؟؟؟؟؟"

اس نے اسے ایک اور ٹھڈا مارا تھا۔وہ درد کی شدت کراہ اٹھی تھی۔

سیاہ آسمان پہ دور تک بجلی چمکی تھی اور بادل زور سے گرجا تھا۔

"عادل سائیں۔۔۔۔میں بے قصور ہوں۔۔۔میں نے کوئی بے ایمانی نہیں کی۔۔۔۔میرا یقین کریں۔۔۔۔میں نے اپکی عزت خراب نہیں کی۔۔۔۔میں نے کوئی خیانت نہیں کی سائیں۔۔۔۔۔میرا اعتبار کریں۔۔۔۔۔"

وہ اسکی ایک بھی نہیں سن رہا تھا۔حویلی کے صحن میں وہ اسکی ٹھوکروں کی زد میں تھی۔اسکی ہر ضرب پہ اسکی چیخیں سارے میں گونجتی تھیں۔وہ روتی ہوئی،اپنی بے گناہی کی

دہائیاں دے رہی تھی۔

اندر حلیمہ اپنی بچیوں کے ساتھ کھڑی بے بسی سے وہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔

عشاء کے بعد باسط اپنے کمرے میں لوٹا تو لائیٹ بند تھی۔اندر کے حبس سے گھبرا کر وہ چہل قدمی کے لئیے باہر نکل آیا تھا۔

راوی کی سرزمین سے اٹھتی ٹھنڈی ٹھنڈی بدن سے ٹکراتی،اندر روح تک تمانیت بھر رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"پتہ نہیں اماں نے کھانا کھایا ہو گا کہ نہیں۔۔۔دوا بھی وقت پہ نہیں لیتی ہیں وہ۔۔۔۔پہلے تو میں تھا انہیں زبردستی کھلا دیتا تھا۔۔۔۔"

انہی سوچوں میں ڈوبا وہ چلتا ہوا دور نکل آیا تھا۔ویسے تو اس شہر کی روشنیاں ساری رات جاگا کرتی تھیں لیکن آج اندھیروں نے اسے مات دے رکھی تھی۔سنا تھا پورے شہر میں شارٹ سرکٹ ہوا تھا۔

"کل سے یونیورسٹی بھی شروع ہے۔۔۔۔مجھے کلس کے بعد شام میں کوئی جاب

ڈھونڈ لینی چاہئیے۔۔۔کب تک تایا ابو میرا خرچہ اٹھائیں گے۔۔۔مجھے ان پہ اب اور بوجھ نہیں بننا چاہئیے۔۔۔۔"

انہی سوچوں میں غلطاں وہ اس خاموش سڑک پہ رواں تھا جب اس نے اندھیرے میں، سڑک کے کنارے وہ ہیولے سے دیکھے تھے۔

وہ دو نقاب پوش۔۔۔وہ موٹر سائیکل سوار۔۔۔پستول تانے۔۔۔کوئی بے بس انکے ہاتھوں لٹنے کو تیار تھا۔

موسلادھار بارش جاری تھی۔

جل تھل کرتی بارش کی بوندیں ہر شے بہا دینے پہ تُلی ہوئی تھیں۔آندھی کے شدید تھپیڑے قہر میں بھرے یہاں وہاں غُل مچاتے پھر رہے تھے۔بادل کی گرج دلوں کو اپنی مٹھی میں بھینچ ڈالتی تھی۔

عادل اسے حویلی سے باہر نکال کے دروازے بند کروا چکا تھا۔وہ بہت دیر سے کھڑی اور آہنی گیٹ کو پیٹ پیٹ کر ہلکان تھی۔تکلیف کی شدت سے پیٹ میں گرہیں پڑ رہی

تھیں۔چہرے پہ چوٹیں اور نیل اذیت دے رہے تھے۔بکھرے بال،کیچڑ میں لت پت کپڑے۔اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔اسے کسی شے کا ہوش نہیں تھا۔بس ایک بات۔۔۔۔

"میرا پتر۔۔۔۔میرا بیٹا۔۔۔۔میرا مرتضیٰ۔۔۔۔۔"

اسکے ہاتھ دستک دے دے کر شل ہو چکے تھے۔چلا چلا کر گلے میں کانٹے اُگ آئے تھے۔

"سائیں۔۔۔ایسے ظلم نا کریں۔۔۔میرا پتر۔۔۔وہ آپکا بھی خون ہے۔۔۔۔مجھے اس سے جدا نا کریں۔۔۔۔سائیں۔۔۔۔میں بے گناہ ہوں سائیں۔۔۔۔۔ایسے ظلم نا کریں۔۔۔۔۔"

بجلی چمکی اور آسمان دور تک روشن ہو گیا تھا۔بس ایک لمحہ اور پھر ہر شے اندھیرے میں ڈوب گئی تھی۔زوروں کی بارش اسکے سارے وجود کو بھگو چکی تھی۔

"عادل سائیں۔۔۔۔اللہ کا واسطہ۔۔۔رسول ص کا واسطہ ہے سائیں۔۔۔۔۔۔"

وہ تھک چکی تھی۔تبھی دروازے کے ساتھ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔بہت سارے

لمحے ایسے ہی گزر گ ےئے تھے جب اندھیرے میں وہ روشنیاں نمودار ہوئی تھیں۔وہ گاڑی کی فرنٹ لائٹس تھیں۔

وہ اسکی طرف ہی آرہی تھی۔اسکے نزدیک انے پہ گاڑی رکی تھی۔دروازہ کھلا اور وہ دو قدم اسکی طرف بڑھے تھے۔اس نے چندھیائی ہوئی انکھوں سے بمشکل دیکھا تھا۔وہ شناساسی آواز میں اسکا نام پکار رہا تھا۔

"نُوری۔۔۔۔۔۔۔۔۔" !!!!!

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"نُوری۔۔۔۔۔۔" !!!!!

دور آسمان پہ بجلی چمکی اور ہر شے روشنی میں نہا گئی تھی۔بادل ایسی شدت سے گرجا تھا کہ ایک لمحے کو برستی بارش بھی سہم گئی تھی۔

عباس نے اسے حیرت سے دیکھا جو حال سے بے حال حویلی کے دروازے سے لگی بیٹھی تھی۔اسکے حلق میں آوازیں بھی دم توڑ چکی تھیں۔زخموں سے آلودہ چہرہ اور جا بجا نیل۔وہ ششدر رہ گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیا ہوا ہے؟؟ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟؟؟ عادل کہاں ہے؟؟؟؟"

وہ اسکے پاس کیچڑ میں اکڑوں بیٹھا اور نرمی سے پوچھنے لگا۔ بارش اسے پوری طرح سے بھگو چکی تھی۔

"اتنی رات کو یوں زخمی حالت میں۔۔۔۔۔کیا ہوا ہے؟؟؟"

وہ سسک اٹھی تھی

"وہ مجھے۔۔۔وہ میری بات نہیں مانتے۔۔۔میں بد کردار نہیں ہوں۔۔۔عباس تم جانتے ہو۔۔۔میں نے خیانت نہیں کی۔۔۔وہ ڈاکٹر جھوٹ کہتا ہے۔۔۔وہ بہتان لگا رہے ہیں۔۔۔وہ انکا خون ہے عباس۔۔۔۔۔"

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟؟؟؟"

"تم انہیں سمجھاؤ۔۔۔وہ ایسے نا کریں۔۔۔میرا اپتر۔۔۔میرا امر تضیٰ۔۔۔۔۔عباس انہیں۔۔۔۔۔"

وہ لمبی سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ اس حویلی سے کسی کو فیض نہیں ملا تھا۔ وہاں سے جب بھی ملے تھے، جس کو بھی ملے تھے، بس زخم ہی ملے تھے، پتھر ہی ملے تھے، بہتان ہی

ملے تھے،الزام ہی ملے تھے۔

"اٹھو۔۔۔۔ماہ نور اٹھو۔۔۔۔اتنی رات گۓ بارش میں یہاں کیسے رکو گی۔۔۔۔ اٹھو۔۔۔۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔۔۔میرا بیٹا ہے۔۔۔۔وہ اسکے ساتھ جانے کیا کر ڈالیں گے۔۔۔۔وہ اندر۔۔۔۔"

"صبح بات کریں گے۔۔۔۔میں تمہیں تمہارے ابو کے گھر چھوڑ دوں گا۔۔۔یہاں سے چلو۔۔۔دیکھو برسات میں موذی حشرات ہوتے ہیں پانی میں۔۔۔چلو اٹھو۔۔۔تمہاری حالت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔۔۔۔"

اس نے بمشکل سہارا دیکر اسے اٹھنے میں مدد دی تھی۔وہ بمشکل لنگڑاتی ہوئی،پیٹ پہ ہاتھ رکھے،سہارے سے چلتی ہوئی گاڑی تک آئی تھی۔

بارش ایسی جل تھل کرنے کے بعد ابھی تک غصے میں ہی تھی۔اسکا قہر سیلاب بنا بہہ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باسط درختوں میں سے چھپتا چھپاتا ان کے نزدیک جا نکلا تھا۔اس پستول والے نقاب پوش کی پشت اسکی طرف تھی۔دبے قدموں چلتے ہوئے وہ اسکے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا،اس نے اپنی ٹانگ اسکی ٹانگ میں اڑائی اور اسے سڑک پہ پٹخ دیا تھا۔اسکے ہاتھ سے پستول نکل کر زمین پہ گر چکی تھی۔

"پسٹل اٹھاؤ"

اس نے چلا کر اس دوسرے لڑکے کو کہا تو وہ جیسے خواب سے جاگا۔دوسرے نقاب پوش سے پہلے وہ لڑکا پستول اٹھا کر اس پہ تان چکا تھا۔

"پستول میں نے اٹھالی ہے لیکن کیا فائدہ،مجھے چلانی ہی نہیں آتی۔۔۔۔۔"

وہ بے بسی سے بولا تھا۔باسط نے سر پیٹ لیا۔اتنے میں پہلا نقاب پوش بھی اٹھ چکا تھا۔

"پستول چلانی نہیں آتی تو دماغ چلانا بھی نہیں آتا؟؟؟؟منہ کھول کے چلانا بھی نہیں آتا؟؟؟؟"

باسط ایک وقت میں ان دونوں سے بِھڑ چکا تھا۔ایک دفعہ میں ایک کے پیٹ میں لات مار کے اس نے دوسرے کی ٹانگوں پہ وار کیا تھا۔

"بیوقوف آدمی مدد کے لئیے چلا۔۔۔۔۔۔۔"

جب تک وہ گشت پہ پولیس والے وہاں تک پہنچے تھے، تب تک وہ ان دونوں کو مار مار کے ادھ موا کر چکا تھا۔

وہ جس وقت اسے لیکر اپنے گھر پہنچا تھا، گلی میں گھٹنے گھٹنے پانی جمع ہو چکا تھا۔ گاڑی تو بہت پیچھے بند ہو گئی تھی جسکی وجہ سے مجبوراً انہیں پیدل ہی گھر تک آنا پڑا تھا۔

"آجاؤ۔۔۔دھیان سے۔۔۔۔یہاں پھسلن ہے۔۔۔۔ہاں آجاؤ۔۔۔"

وہ اسکے سہارے سے چلتی برامدے تک آئی تھی۔ عباس نے چارپائی بچھائی اور اسے وہاں بیٹھنے میں مدد کی تھی۔

"یہ بارش رکے اور پانی اترے تو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا۔"

وہ اندر کمرے میں چلا گیا تھا۔ کچھ دیر میں لوٹا تو اسکے ہاتھوں میں وہ مردانہ جوڑا تھا۔

"یہ بدل لو۔۔۔۔زنانہ تو کوئی کپڑا نہیں ہے، یہ میرا ہی سوٹ ہے۔۔۔۔"

وہ کپڑے لئیے، ہولے ہولے چلتی غسل خانے میں چلی آئی تھی۔ ٹھنڈا یخ پانی زخموں

پہ پڑا تو اسکی چیخیں نکل گئی تھیں۔ نیل ٹھنڈے ہو کر اکڑ چکے تھے۔ سارے جسم پہ دور تک زخموں کے نشان تھے۔ اس نے بمشکل وہ شلوار قمیض بدلی اور باہر آئی تھی۔

وہ بینڈیج کا سامان، پٹیاں اور مرہم لئیے بیٹھا تھا۔ اسی بھیگے ہوئے کپڑوں میں، کیچڑ سے لت پت۔

"میں کرلوں گی"

اس نے پائیوڈین کی شیشی ہولے سے لے لی تھی۔ وہ کپڑے بدل کر باورچی خانے میں چلا گیا۔ لوٹا تو ٹرے میں نیم گرم دودھ کا گلاس اور کچھ بسکٹ تھے۔

"کچھ کھالو، پھر دوا لینا۔۔۔۔۔"

وہ خاموشی سے زخموں پہ روئی کے پھالے رکھتی رہی تھی۔ ان زخموں سے زیادہ وہ زخم تکلیف دے رہے تھے جو اسکی روح پہ لگے ہوئے تھے۔ ان کے لئیے کوئی مرہم، کوئی دوا میسر نہیں تھی۔

"میرا بیٹا۔۔۔۔۔ میرا مرتضیٰ۔۔۔۔۔ وہ پتہ نہیں کس حال میں ہوگا۔۔۔۔۔"

اس نے تڑپ کر سوچا تھا۔

"اب بتاؤ، کیاہوا ہے؟؟؟؟کیوں اتنی رات کو اس نے تمہیں یوں بے یار و مدد گار گھر سے نکال دیا؟؟؟؟؟"

ماہ نور ہولے ہولے ساری بات بتانے لگی تھی۔وہ ناگواری سے سب سنتا رہا تھا۔اسکی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں اور ماتھے پہ بل آگ ئے تھے۔

"یہ وہی عادل ہے ناں جسکی تعریف میں تم رطب اللسان تھیں؟؟؟اسکے لئیے تم نے قسم کھا کر کہا تھا ناں کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا نور؟؟؟؟"

وہ چپ رہ گئی

"وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔اسکے اندر کا حیوان میں نے بہت نزدیک سے دیکھا ہے نور"

"وہ میرا شوہر ہے۔میرے بچے کا باپ۔۔۔۔"

"وہ شوہر جس نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

تبھی بیرونی دروازہ زور زور سے کھٹکایا جانے لگا تھا۔وہ دونوں چونک اٹھے تھے۔

"دروازہ کھول۔۔۔۔کمینے۔۔۔۔۔دروازہ کھول۔۔۔۔عباس۔۔۔۔۔دروازہ کھول۔۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ماہ نور کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس چھوٹ گیا تھا۔فرش پہ دور تک دودھ بہہ گیا تھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟؟؟"

ابو رات گ ۓ پانی پینے کے لئیے اٹھے تھے جب اسے دیکھا تھا۔وہ خاموش سی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔وہ اسکی طرف ہی آگ ۓ تھے۔

"نیند نہیں آرہی تھی ابو"

ساریہ نے ہولے سے کہا تھا۔وہ اسے دیکھ کر رہ گ ۓ

"ماں کو یاد کر رہی ہوناں؟؟؟؟؟؟"

وہ چپ رہ گئی تھی۔

سارے بہن بھائیوں میں وہ سب سے چھوٹی تھی اور ماں سے سب سے زیادہ اٹیچ تھی۔ انکی وفات کو کو بیس دن ہو چکے تھے لیکن وہ ابھی تک اس صدمے سے نکل نہیں سکی تھی۔

"تمہارے یوں اداس رہنے سے، صبح شام اسے یاد کر کے رونے سے، دکھی ہونے سے

وہ واپس آجائے گی؟؟؟؟"

وہ خاموش ضبط کیئے بیٹھی رہی تھی۔

"بچے زندگی ایسے نہیں گزرتی"

"میں کیا کروں ابو۔۔۔وہ ہر جگہ ہر شے میں نظر آتی ہیں۔۔۔ہر طرف ہر جگہ مجھے انکی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔۔۔یوں جیسے ابھی وہ کمرے سے نکل کر ڈانٹیں گی۔۔۔۔یہاں میرے پاس بیٹھ کر مجھ پہ پڑھ پڑھ کے پھونکیں گی۔۔۔میں کیسے بھولوں انہیں۔۔۔میں۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انہوں نے رسان سے اسے کہا تھا

"کس نے کہا بھولو؟ لیکن خود کو بھی مت بھولو۔اتنے دنوں سے تم ہر شے تیاگ چکی ہو، یہ مت کرو۔بچے مجھے بیوی کا دکھ ہی کافی ہے، مجھ سے میری بیٹی کو مت چھینو۔۔۔۔"

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔وہ کہہ کر رکے نہیں تھے۔

باہر بہت سی آوازیں تھیں۔

ملی جُلی آوازیں۔ مشتعل افراد۔ غصیلے لہجے۔ گالیاں۔ عباس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہجوم تھا۔ ہاتھوں لالٹینیں، ٹارچیں لیئے ہوئے، سر ہی سر، غیض و غضب میں ڈوبی آنکھیں۔ بارش کی جل تھل۔ بجلی کی چمک۔ بادل۔ آندھی کے تھپیڑے۔۔۔۔

"بے غیرت انسان۔۔۔ میری عزت پہ ہاتھ ڈالتا ہے۔۔۔ میری گھر والی پہ۔۔۔۔۔ "

سب سے آگے عادل تھا۔ اس نے عباس کو گریبان سے جکڑا تھا اور اسکے منہ پہ تھپڑوں کی بارش کردی تھی۔ وہ اس اچانک پڑنے والی افتاد کے لیئے ہر گز تیار نہیں تھا۔ وہ اسکی گرفت میں کسمسا کر رہ گیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے سارا مجمع اندر آ یا تھا۔

برآمدے میں کھڑی، تھر تھر کانپتی ماہ نور نے اپنے بھائیوں کو دیکھا تھا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں نے۔۔۔۔ کک۔۔۔۔"

وہ سب اتنا اچانک ہو رہا تھا کہ وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔

"دیکھ لیا۔۔سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔۔۔اعجاز بھائی۔۔۔اور سب ویرو۔۔۔میری زبان پہ تو اعتبار نہیں تھا،اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا؟؟؟؟؟؟"

عادل نے نفرت سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہاری یہ بدکردار بہن جسے اپنی عزت کی پرواہ ہے اور نا میری عزت کی۔یہ نجانے کب سے چل رہا ہے۔یہ اسکا عاشق۔۔۔یہ ملاقاتیں۔۔۔رول دی اس نے میری عزت۔۔۔یہ دیکھ لو۔۔۔یہ رپورٹیں"

اس نے وہ فائل وہیں پٹخ دی تھی۔

"یہ جسے میرا پتر کہتی ہے،وہ تو میرا خون ہی نہیں ہے۔اس نے جانے کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے اور اس کو میرے سر پہ تھوپ رہی ہے"

وہ جیسے سکتے سے جاگی تھی۔وہ نفی میں گردن ہلاتی عادل کے پیروں میں جا بیٹھی تھی۔

"ناں سائیں ایسے نا کہیں۔۔۔میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔وہ ہمارا پتر ہے۔۔۔وہ آپکا خون ہے۔۔۔۔"

اس نے اسے دور جھٹک دیا تھا۔

"لعنت ہو عادل مقصود پہ جواب بھی تیری باتوں میں آئے حرامزادی۔۔۔۔۔"

وہ زور سے چلایا تھا۔

"اور یہ۔۔۔۔یہ سکول کی آڑ میں پنڈ میں بدمعاشیاں کر رہا ہے۔۔۔۔یہ حرامزادہ۔۔۔۔۔اس نے نقب لگایا ہے۔۔۔۔"

عباس نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔اسکا گریبان پھٹ چکا تھا اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے زمین پہ تھوکا اور اسے دیکھا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ فرضی باتیں ہیں۔ثبوت کہاں ہے چوہدری؟؟؟"

عادل نے فائل کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"یہ پڑی ہے تیرے گناہوں کو ثابت کرتی رپورٹیں۔مجھے یاد ہے پچھلے سال کرم داد کی بیٹی کو تو نے خون دیا تھا۔بھائیو تم سب کو بھی یاد ہے ناں جب ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ کونسا خون تھا وہ؟؟؟؟اے بی پوزیٹیو۔۔۔۔وہی جو اس حرام زادی کی اس گندی اولاد کا ہے۔۔۔۔جو میرا ہرگز نہیں ہے۔۔۔۔"

وہ ششدر رہ گیا تھا۔ماہ نور روتی ہوئی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"یہ پڑی ہیں رپورٹیں۔ کرو اپنا ڈی این اے اور دیکھ لینا۔۔۔وہ تیرا ہی گناہ ہے عباس۔۔۔۔"

"سائیں ایسے نا کریں۔۔۔میں نے خیانت نہیں کی ہے سائیں۔۔۔"

وہ زمین پہ پڑی بلک رہی تھی۔

"میری بس ہو گئی ہے بھائی مقصود۔۔۔میں اس گندگی کو اب اور اپنے گھر نہیں رکھوں گا۔۔۔میں نے بہت برداشت کر لیا ہے۔۔۔بس۔۔۔میری طرف سے یہ فارغ ہے۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ زرار کا تھا۔

"یہاں تم سب کے سامنے میں اسے پورے دائمی ہوش و حواس میں طلاق دیتا ہوں۔۔۔۔"

بادل زور سے گرجا تھا اور بجلی زمین کی طرف لپکی تھی۔

"عمر۔۔۔۔۔"

اس لڑکے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ باسط نے شرٹ ٹھیک کی اور اسے سر تا پا دیکھ کر ہاتھ تھاما

"باسط۔۔۔"

"کمال کے فائٹر ہو یار۔ کہاں سے سیکھا ایسے لڑنا؟؟؟"

"میں بلیک بیلٹ ہوں"

وہ مرعوب دکھائی دے رہا تھا۔

"ارے واہ، تم جیسا کوئی باڈی گارڈ ہونا چاہئیے بندے کے ساتھ۔ فریشر ہوناں؟؟؟ میں نے تمہیں آج ہاسٹل میں دیکھا تھا"

باسط نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بس ٹھیک ہے۔ میں تو اپنا بوریا بستر اباندھ کر تمہارے ساتھ شفٹ ہو جاؤں گا۔"

"کس خوشی میں؟؟؟"

باسط نے تنک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ دونوں اب یونی کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"مجھے بچانے کی خوشی میں۔میں احسان مند ہوں تمہارا"

"تو تم جن کے احسان مند ہوتے ہو،ان پہ یوں راشن پانی لیکر چڑھ جاتے ہو؟؟؟"

"ارے تمہیں ابھی پتہ ہی کیا ہے۔میری صحبت اور میرا ساتھ قسمت والوں کو ملتا ہے۔تم تو بڑے خوش قسمت ہو جو میں خود تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔۔۔"

اسے کچھ بولتا دیکھ کر وہ جلدی سے بولا تھا۔

"نہیں نہیں شکریہ کی کوئی بات نہیں۔۔۔چلو میرا سامان شفٹ کرتے ہیں تمہارے کمرے میں۔۔۔"

وہ اسکے ساتھ ہی ہاسٹل میں داخل ہوا تھا۔باسط سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

موسم کو جانے کس بات پہ غصہ تھا۔گھنٹوں سے جاری بارش اسی شدت سے برس رہی تھی۔عباس کے گھر کا چھوٹا سا صحن پانی سے بھر چکا تھا۔

اعجاز بھائی نے اسے کلائی سے جکڑا اور گھسیٹتے ہوئے باہر لائے تھے۔وہ سر جھکائے ہوئے، تھر تھر کانپتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔وہاں موجود ہر شخص کی

آنکھ میں اسکے لیئے نفرت تھی، ہر چہرے پہ اسکے لیئے کراہیت تھی۔

ایک ہی رات میں اسکے وجود پہ اتنے سارے داغ لگ چکے تھے، وہ ان کو کیسے مٹا پاتی ؟؟؟؟ وہ اتنے سارے الزامات، وہ کس کس کو جھٹلاتی ؟؟؟؟ وہ اتنی ساری ملامتی نظریں، وہ کس کس سے نظر چراتی ؟؟؟؟ وہ ہاتھ چھڑواتی تو کہاں جاتی ؟؟؟؟ وہ انکے ساتھ جاتی تو کیسے جاتی ؟؟؟؟؟؟

اسکے بھائی اسے لیئے مکان سے نکل رہے تھے جب اس نے ایک آخری بار گردن موڑ کر دیکھا تھا۔

اسکا محسن، زخموں سے چور، بے جان سا فرش پہ پڑا تھا۔اس پہ بارش شدت سے برس رہی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے جس دن سے میں نے تمہیں دیکھا ہے، میری نظروں کو کچھ اور نہیں بھایا ہے۔"

وہ سرگوشی سی ہوئی تھی۔اس نے کرب سے آنکھیں موندلی تھیں۔

"مجھ پہ بھروسہ رکھو۔میں سب ٹھیک کردوں گا"

اب کبھی کچھ ٹھیک ہو گا؟؟؟؟؟؟

اس نے سوچا تھا جب آخری بار اسے دیکھا تھا۔

ساریہ نے چائے کا کپ میز پہ رکھا تھا۔

ابو نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیئے

"جیتی رہو میری بچی۔۔۔۔"

انہوں نے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

"میں ناشتہ بنا لوں ابو، پھر آپ مجھے یونیورسٹی چھوڑ دیجیئے گا"

وہ زرار کی تھی

"مجھے پتہ ہے میں نے اتنے دن آپ سب کو بہت پریشان کیا ہے۔مجھے معاف کر دیجیئے گا۔میں کوشش کروں گی اب آپ کو کوئی تکلیف نا دوں"

ہلکے سبز دوپٹے میں اسکا صبیح چہرہ دمک رہا تھا۔انہوں نے پیار سے اسے دیکھا تھا۔

"میری بچی۔۔۔۔اللہ خوش رکھے تمہیں۔۔۔۔"

وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔سامنے ہی دیوار پہ امی کی تصویر لگی ہوئی تھی۔وہ بہت دیر تک کھڑی انہیں دیکھتی رہی تھی۔

"آپ بھی خوش رہیئے گا امی۔۔۔۔۔"

وہ نازتہ بنا کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔الماری کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے کپڑوں پہ نظر ڈالی تھی۔وہ گلابی اور سفید جوڑا جو امی نے اسے خاص طور پہ لیکر دیا تھا۔اس نے وہ نکال لیا تھا۔

وہ سر جھکائے، مجرم بنی کھڑی تھی۔

"اس نے ہماری عزت کا جنازہ نکال دیا ہے ابا جی۔وہاں انکا سارا اپنڈ جمع تھا،لوگ ایسی ایسی باتیں کر رہے تھے۔اور کیوں نہیں کریں گے،اس نے موقع دیا ہے سب کو کہ وہ ہمارے منہ پہ جوتے ماریں"

اعجاز بھائی چلا رہے تھے۔

ابا جی سر پکڑے بیٹھے تھے۔اماں سینے پہ دو ہتٹر مار مار کے رو رہی تھیں۔

"ہائے۔۔۔برباد ہو گئے۔۔۔اس لڑکی نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔۔

ہائے۔۔۔کیا منہ دکھاؤں گی میں سب کو۔۔۔ہائے۔۔۔۔نی نوری، تیرا ککھ نا

رہے۔۔۔برباد ہو جائے۔۔۔کیڑے پڑیں تجھے۔۔۔۔"

وہ باپ کے پیروں سے لپٹ گئی تھی

"ابا جی۔۔۔میری طرف دیکھیں۔۔۔میں بے قصور ہوں ابا جی۔۔۔میں نے کچھ

نہیں کیا۔۔۔وہ سب جھوٹ ہے۔۔۔میں نے کچھ نہیں کیا ابا جی۔۔۔۔"

انہوں نے اسکی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔چھوٹے مقصود کو کہا تھا۔

"اسے میری نظروں سے دور لے جاورنہ میں اسکا قتل کر دوں گا"

ابا اور اسکے چھ بھائی اسکا قتل کر بھی دیتے اگر چھوٹی چاچی درمیان میں نا آتیں۔انہوں

نے اسے ماں سے پٹتے ہوئے چھڑوایا اور اپنے پیچھے چھپا لیا۔

"بس کرو بھر جائی۔۔۔بس۔۔۔۔تیری ہی اولاد ہے یہ۔۔۔کوئی ڈھور ڈنگر نہیں

ہے۔۔۔۔"

انہوں نے ہی اسکے زخموں کو پہلی بار دیکھا تھا۔

"اسے مارا ہے عادل نے؟؟؟؟"

مقصود نے نفرت سے دیکا

"وہ جان سے ہی مار دیتا تو اچھا تھا۔"

وہ سب اسے لعنت ملامت کرتے چلے گ ےئے تھے۔ بس چاچی رہ گئی تھیں جو اسے اپنی آغوش میں لیئے بیٹھی رہی تھیں۔

"چاچی۔۔۔انہیں بتائیں میں بے گناہ ہوں۔۔۔وہ سب الزام ہیں چاچی۔۔۔اللہ کی قسم ہے، رسول ص کی قسم ہے میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔۔۔مجھے میرے پتر کی قسم ہے چاچی۔۔۔۔۔"

وہ روتے ہوئے، صفائیاں دیتے دیتے ہلکان ہو رہی تھی۔

یونیورسٹی میں پہلا دن اور وہ لیٹ تھے۔

رات دیر تک عمر کی بکواس جاری رہی تھی۔ اس نے جب تک اسکی سات پشتوں کا

تعارف حاصل نہیں کر لیا تھا، وہ سویا نہیں تھا۔ باسط کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں لیکن وہ سونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ حد سے زیادہ باتونی وہ لڑکا اتنا ہی بیوقوف تھا۔ جتنا بولے اتنی عقل کھوئے، اس پہ بالکل صادق بیٹھتا تھا۔

"تمہاری وجہ سے میں لیٹ ہوا تو اچھا نہیں ہو گا"

اس نے اسے تیز نظروں سے دیکھا تھا۔ رات کو لیٹ سوئے تو صبح دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ وہ تو جاگنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ باسط نے پانی کا لبالب بھرا جگ اس پہ خالی کیا تو ہڑبڑا کے اٹھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آئندہ یہ کبھی، کبھی بھی مت کرنا"

"اور تم بھی آئندہ کبھی مجھے اتنا مت جگانا"

اب وہ بھاگتے بھاگتے لیکچر تھیٹر کی طرف رواں تھے۔

"چِل یار۔ پہلے دن وقت پہ پہنچنے پہ تجھے آسکر نہیں مل جائے گا۔ یہ یونیورسٹی ہے ڈُوڈ کوئی نرسری پریپ نہیں کہ لیٹ ہوئے تو کلاس میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔۔۔"

پروفیسر نے انہیں گھورا تھا۔

"آؤٹ" !!!!!

اب وہ کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

لیکن لیٹ بس وہ دو نہیں تھے۔وہ بھی تھی جو بیگ کندھے پہ ڈالے، ہلکے گلابی پاجامے، سفید لمبی قمیص کے ساتھ، شانوں پہ گلابی ڈوپٹہ ڈالے انکی طرف ہی آ رہی تھی۔

"اندر کلاس نہیں ہو رہی کیا؟؟؟؟"

اس نے عمر سے پوچھا تھا۔

"ہو رہی ہے لیکن سر اپنی بیوی سے لڑ کر آئے ہوئے ہیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس نے برا سا منہ بنایا۔ باسط نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا تھا۔وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

مجھے نہیں پتہ جب دو ایسے انجان لوگ پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھیں، جنہیں زندگی میں آگے چل کر ایک دوسرے کا بننا ہوتا ہے تو کائنات میں کیا ہوتا ہو گا، جو بھی ہوتا

ہو گا، وہ اسے لمحے ہوا تھا۔۔۔۔۔

اس نے مندی مندی سی انکھیں بمشکل کھولی تھیں۔

سارے صحن میں روشنی بکھری پڑی تھی۔ ننھی ننھی سی کرنیں ہوا سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئیں برآمدے تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اس نے اٹھنا چاہا لیکن تکلیف کی شدت سے وہ اٹھ نہیں سکا تھا۔ ساری رات کی بارش کی وجہ سے صحن میں جگہ جگہ پانی جمع تھا۔ اسکے اپنے کپڑے بھی پانی، کیچڑ اور خون سے بھرے ہوئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سوکھے زخم، سیاہ پڑ چکے نیل اور ٹھنڈی چوٹیں۔

وہ بمشکل زمین کا سہارا لیکر اٹھا تھا۔

داہنی انکھ کو سوجن ڈھانپ چکی تھی۔ ناک سے بہتا خون جواب سوکھنے لگا تھا۔ ہونٹ پھٹ چکا تھا اور دانتوں سے بہتا خون منہ میں بھرا ہوا تھا جسے اس نے جھک کر زمین پہ تھوکا تھا۔ وہ بمشکل اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔

بیرونی دروازہ کھلا تھا۔

اس نے برآمدے میں دیکھا۔دودھ کا گلاس اوندھا پڑا تھا۔فرش پہ دور تک دودھ کے نشان تھے۔کچھ پٹیاں۔پائیوڈین کی شیشی۔

گزر چکی رات کا سارا قصہ اسکے ذہن کے پردوں پہ جاگ چکا تھا۔

وہ لوگ۔بارش۔آوازیں۔الزام۔مار پیٹ۔عادل۔ماہ نور۔طلاق۔چیخیں۔

وہ بمشکل چلتا ہوا برامدے تک آیا۔وہاں بچھی چارپائی پہ وہ فائل پڑی تھی۔اس نے چونک کر دیکھا تھا۔وہ آگے بڑھا اور اسے کھول کر دیکھنے لگا تھا۔وہ عادل اور مرتضیٰ کی ڈی این اے رپورٹس تھیں۔بلڈ گروپنگ کے نتائج تھے۔وہ ٹھٹھک گیا تھا۔

"عادل نے اتنے چھوٹے بچے کا ڈی این اے کیوں کروایا؟اور یہ رزلٹ ؟او نیگیٹو اور بی پوزیٹیو کا کمبنیشن اے بی پوزیٹیو کیسے ؟؟؟؟؟؟"

وہ تھک کر چارپائی پہ بیٹھا تھا۔وہ پہیلی اسکی سمجھ سے باہر تھی۔

عادل نے طلاق کے کاغذات بھجوا دیئے تھے۔

مقصود بھائی ہی وہ لفافہ لئیے اندر آئے تھے اور چار پائی پہ بیٹھے منظر حسین کی جھولی میں ڈال کر وہیں سر جھکا کر بیٹھ گئے تھے۔انہوں نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"کیا ہے یہ ؟؟؟؟؟"

"تمغہ "

انہوں نے طنزیہ انداز سے کہا تھا۔

"جو معرکہ میری بہن اور آپکی دھی رانی مار کر آئی ہے،اسکی فتح کا۔۔۔۔"

وہ دھک سے رہ گئے تھے۔

"ہائے"

اماں نے سینہ پیٹ لیا۔

"کاغذ بھیج دیا عادل نے ؟؟؟؟؟"

ابا نے لمبا سانس بھرا تھا۔

"سارے پنڈ میں گردن تان کر گھومتا تھا میں۔منظر حسین کے خاندان کی، شرافت کی لوگ مثالیں دیتے تھے۔کسی میں ہمت نہیں تھی کہ کوئی میری ذات پہ انگلی اٹھاتا اور اب۔۔۔۔۔۔۔۔"

انکی آنکھیں بھیگ گئی تھیں

"تونے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا نوری۔۔۔تونے مجھے برباد کر دیا۔۔۔تونے اپنے پیو کی پگ کو مٹی میں رول دیا۔۔۔۔۔"

اندر کمرے میں، بستر پہ چت لیٹی ماہ نور کی آنکھوں سے بے آواز نمکین پانی بہہ رہا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اپنے باپ کو روتے دیکھا تھا۔

"مجھے اجازت دیں عادل صاحب"

ڈاکٹر زین نے مہمان خانے کے برامدے میں رک کر برابر میں چلتے عادل سے کہا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب"

عادل نے اسکے کندھے پہ رسان سے ہاتھ رکھا تھا۔

"مجھ سے کوئی غلطی کوتاہی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا۔اس دن غصے میں، میں بہت بد تمیزی کر گیا"

"ارے سائیں کیسی باتیں کر رہے ہیں۔شرمندہ مت کریں مجھے۔میرے پیشے میں تو یہ چلتا ہے۔"

ڈرائیور ڈاکٹر زین کا بیگ اٹھائے پیچھے پیچھے تھا۔

"آپ بس اس بچے کا دھیان رکھیئے گا۔مجھے پتہ ہے آپکو اس پہ غصہ ہو گا لیکن وہ معصوم جان اسکا کیا قصور۔وہ بچہ ویسے بھی اتنا کمزور سا ہے۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

"چلیں میں چلتا ہوں"

عادل انہیں رخصت کرنے باہر تک آیا تھا۔

شام کسی کنواری دوشیزہ کی ہنسی کے جیسی تھی۔اسکے شباب پہ ابھی پیری کا گمان تک نہیں تھا۔

وہ گاؤں کی حدود سے نکل رہے تھے جب انکا فون بج اٹھا تھا۔انکے گھر سے ملازمہ بول

رہی تھی۔

"صاحب جی۔۔۔آپ کدھر ہیں؟؟؟؟جلدی گھر آ جائیے۔۔۔۔"

وہ جلدی جلدی پریشانی میں کہہ رہی تھی۔

"حمنہ بی بی سیڑھیوں سے گر گئی ہیں"

وہ شاکڈ رہ گئے تھے۔

\-----------------------------

NEW ERA MAGAZINE .com

"میرا پتر، میرا مرتضیٰ۔۔۔۔چاچی مجھے اس کے پاس جانا ہے۔"

وہ ان کے پاس بیٹھی التجائیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اس نے پتہ نہیں دودھ بھی پیا ہو گا کہ نہیں۔پورا دن گزر گیا،اللہ جانے وہ کس حال میں ہو گا۔چاچی۔۔۔آپ ابا جی سے بات کریں ناں،مجھے میرا بچہ لا دیں۔۔۔"

انہوں نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا

"تجھے پتہ تو ہے نوری اپنے باپ بھائیوں کا۔۔۔اور اپنے شوہر کا بھی۔۔۔"

"چاچی۔۔۔۔آپ بات کریں ناں۔۔۔وہ آپکی کوئی بات نہیں ٹالتے ہیں۔۔۔۔"

وہ متذبذب تھیں

"میرا چند ماہ کا بچہ، وہ میرے اور میں اسکے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں؟؟؟اس نے میرے ساتھ اتنی مار پیٹ کی، خدانخواستہ وہ اسکے ساتھ کچھ۔۔۔۔"

وہ دہل گئی تھی۔

وہ جلے پیر کے بلی کی طرح سارے آنگن میں پھرتی رہی تھی۔انہیں ہی اسکی حالت پہ رحم آیا تو شام کو وہ منظر صاحب کے سامنے تھیں

"بھائی جی وہ ماں ہے، وہ کیسے رہ سکتی ہے بچے کے بغیر۔اسکی حالت تو دیکھیں"

"مجھے اس سے کچھ لینا دینا نہیں"

انہوں نے تیزی سے کہا تھا۔

"چلیں مان لیں، اسے گناہگار مان لیں، بدکردار کہہ لیں لیکن اسکی مامتا پہ تو شک نہیں ہے ناں۔وہ اس بچے کا کیا کرے گا جسے وہ اپنا خون ہی نہیں کہتا؟؟؟؟نوری کی کسی خطا کو وہ کیوں اپنے پاس رکھ کے بیٹھا ہوا ہے؟؟؟؟؟"

وہ زرار کی تھیں۔

"میری بات کا ہی مان رکھ لیں۔اس سے بات کریں۔اسے کہیں وہ ایک ماں اور بچے کے درمیان نا آئے۔۔۔۔"

انہیں بھی اڈ کا بلکنا،اپنے بچے کے لیئے تڑپنا دکھائی دے رہا تھا۔سارا وقت وہ اسکے لیئے پریشان رہتی تھی۔انہیں سب نظر آتا تھا۔جیسی بھی تھی،وہ اولاد تھی انکی۔اکلوتی بیٹی۔ لاڈلی بیٹی۔بھلے ناراض تھا لیکن وہ دل اپنی بیٹی کے لیئے ابھی بھی دھڑکتا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باسط اپنی ٹیبل پہ بیٹھا،کتاب کھولے پڑھنے میں مصروف تھا تبھی دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا اور دھپ دھپ کرتا عمر اندر آیا تھا۔اسے پڑھتے دیکھ کر منہ بنایا تھا۔

"کیا لائبریری جیسا ماحول بنایا ہوا ہے تونے کمرے کا۔تجھے پتہ ہے مجھے الرجی ہے کتابوں سے۔۔۔۔دم گھٹنے لگتا ہے میرا۔۔۔۔"

باسط نے کندھے اچکادیئے۔وہ اسکی طرف ایا اور کتاب بند کی

"چل باہر چلتے ہیں۔کچھ کھا کر آتے ہیں"

باسط نے پھر سے کتاب کھول لی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں۔اور مجھے پڑھنے دے، تنگ مت کر"

وہ منہ بسور کر اپنے بستر پہ گرا تھا۔

"یااللہ کہاں پھنس گیا میں۔اچھا بھلا اپنی زندگی میں موج کر رہا تھا۔دوست، پارٹیاں، کھابے۔۔۔کس قید میں ڈال دیا گیا میں۔۔۔۔"

اس نے پاس پڑی میز پہ سے وہ پیکٹ اٹھایا اور مونگ پھلی چھیلنے لگا۔دانے منہ میں ڈال کر چھلکے اس نے باسط پہ اچھال دیئے تھے۔اس نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"بی ہیو یور سیلف"

"واؤ پینڈو ہوتے ہوئے بھی اتنی انگلش۔۔۔۔۔؟؟؟؟"

وہ چپ چاپ کتاب پہ جھکا

"کونسا گولڈ میڈل مل جانا ہے اتنی پڑھائیوں پہ۔تیری پینڈووں جیسی لک پہ کسی لڑکی نے فدا ہونا ہے اور نا پروفیسروں نے۔وائیوا میں نمبر ملیں گے اور نا ہی لڑکیوں کے نمبر ملیں گے۔بس بال جھڑ جائیں گے پڑھ پڑھ کے۔۔۔۔"

اس نے پھر سے چھلکے باسط پہ اچھالے تھے۔

"کیسا بےہودہ انسان ہے تو؟؟؟؟؟"

وہ چلایا تو عمر ہنسا تھا۔

"سٹاپ اٹ"

"اوہ پھر سے انگریزی میں غصہ؟؟؟؟؟"

اس نے مونگ پھلی چھیلی تھی۔

"بوگیمبو خوش ہوا اور تحفے میں تمہیں دیتا ہے یہ۔۔۔"

ایک بار پھر چھلکے اس پہ اچھالے تھے۔یہ باسط کے ضبط کی حد تھی۔اس نے وہی کتاب کھینچ کر اسکے دے ماری تھی۔عمر اس کے لیئے تیار نہیں تھا۔موٹی بھاری کتاب اسکا کندھا سینک گئی تھی۔

"بے غیرت آدمی میں ڈسٹ بِن ہوں؟؟؟؟؟"

"اتنی بدتمیزی؟؟؟؟مطلب اتنی بڑی گستاخی؟؟؟؟؟اس غلام کا سر قلم کر دیا جائے
"

وہ باسط کی طرف اشارہ کر کے غرایا تھا۔ہاتھ میں موجود آخری مونگ پھلی چھیل کر اسکے چھلکے باسط کی طرف اچھالے اور باہر کو بھاگا تھا۔وہ اسکے پیچھے ہی بھاگا تھا۔

"رک۔۔۔۔۔ ٹھہر جا میں تجھے بتاتا ہوں سالے۔۔۔۔۔"

عمر کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

\-

"کیا میں بھاگ رہا ہوں؟؟؟"

عباس نے کپڑوں کو بیگ میں ٹھونستے ہوئے ایک بار پھر سے سوچا تھا۔

"کیا مجھے یوں بھاگ جانا چاہیئے؟؟؟؟؟"

اس نے بیڈ پر پڑی ان رپورٹس کو دیکھا تھا۔

"کیا میرا یوں بھاگ جانا مجھے مجرم ثابت نہیں کرے گا؟؟؟؟؟"

وہ تھک کر بستر پہ بیٹھا تھا اور ان رپورٹس کو اٹھایا تھا۔کاغذ کے وہ چند ٹکڑے کو کسی کو گناہگار، کسی کو مجرم بنا چکے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بھاگنا ہر بار بزدلی نہیں ہوتا۔فرار کئی بار مسئلوں کا حل بھی ہوتا ہے۔"

اس نے کچھ سوچ کر وہ رپورٹس بھی بیگ میں رکھی تھیں۔

"عادل سائیں۔۔۔جو الزام تم نے میرے سر پہ تھوپا ہے ناں،اسے اتار کر ہی دم لوں گا۔تم دیکھنا،ایسے ہی سارے مجمع کے سامنے تمہارے منہ پہ سچ دے کر ماروں گا۔ انتظار کرنا"

وہ سامان گاڑی میں ڈال کر،اب گھر کے بیرونی دروازے پہ تالا لگا رہا تھا۔

"میں بہت جلد واپس آؤں گا۔اپنی بے گناہی کے ثبوت لیکر۔۔۔۔۔۔۔"

اس دن جب سورج طلوع ہوا تو اسکی کرنوں نے دیکھا وہ آنگن ویران پڑا تھا۔بیرونی دروازے پہ پڑا وہ زنگ آلود تالا اپنے مالک کی راہ دیکھ رہا تھا۔

اولاد جتنی بھی ظالم کیوں نا ہو،ماں باپ انکے لیئے رحیم ہی رہتے ہیں۔

منظر حسین نے بھی اپنے بیٹوں کی ایک نہیں سنی تھی اور عادل کی حویلی جانے کے لیئے تیار ہو گئے تھے۔

"اباجی ابھی بھی آپ کو اسکی فکر ہے؟؟؟وہ جو سارے جہان کی کالک ہمارے چہروں پہ مل چکی ہے، ابھی بھی اسکے آنسو نظر آرہے ہیں"

"ہاں" !!!!

انہوں نے بے بسی سے کہا تھا۔

"مجھے اس کے چہرے میں اپنا چہرہ نظر آتا ہے مقصود۔وہ اپنی اولاد کے لیئے تڑپتی ہے تو میں اپنی اولاد کے لیئے تڑپ اٹھتا ہوں۔اسکی ماتا کی تسکین ہو گی تو اس باپ کے زخموں کو راحت ملے گی۔۔۔۔"

وہ بولتے چلے گئے تھے۔

"مجھے یہ کرنے دے۔اسکے لیئے نا سہی، میرے لیئے۔۔۔۔"

اس دن ظہر کے بعد وہ عادل کے گاؤں کے لیئے روانہ ہوئے تھے۔عصر کی اذان بعد میں بلند ہوئی تھی، وہ پہلے اس حویلی کے دروازے پہ تھے۔

"عادل سے کہو ماہ نور کا باپ آیا ہے"

چوکیدار انہیں پہچانتا تھا۔

"وہ تو جی گھر پہ نہیں ہیں"

وہ زرار کا

"آپ جنازے کے لیئے آئے ہیں؟؟؟وہ تو جی ظہر کے فوراً بعد تھا"

وہ ٹھٹھک گ ےئے۔

"جنازہ؟؟؟؟؟کس کا؟؟؟؟؟" .

ڈاکٹر زین آندھی طوفان بنے ہسپتال پہنچے تھے۔حمنہ ابھی تک آئی سی یو میں تھی۔

"صاحب جی میں تو کچن میں تھی،حمنہ بی بی کے لیئے سوپ بنا رہی تھی جب مجھے وہ آواز سنائی دی اور انکی چیخیں۔میں دوڑی دوڑی باہر آئی تو وہ سیڑھیوں کے پاس پڑی تھیں اور خون بہہ رہا تھا"

ملازمہ ہی ڈرائیور کے ساتھ اسے ہسپتال لیکر آئی تھی۔وہ ڈاکٹر اسفندیار کے پاس آیا تھا۔

" How is she ???? "

انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"بے بی تو ایکسپائر ہو گیا ہے"

وہ دھک سے رہ گئے تھے۔اتنی زور کا چکر آیا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر رہ گئے تھے۔

شادی کے سات سال بعد انہیں اولاد کی خوشی ملنے والی تھی جس پہ یہ حادثہ ہو گیا تھا۔

"وہ بھی ابھی خطرے سے پوری طرح باہر نہیں نکلی ہے۔بلیڈنگ بہت زیادہ گئی تھی ڈاکٹر۔انفیکشن بھی قابو میں نہیں آرہا۔۔۔۔۔"

وہ سمجھتے تھے کہ اس سب کا کیا مطلب تھا۔وہ بس چاہتے تھے کہ وہ ان سے کہے کہ سب ٹھیک ہے۔کاش کوئی کہتا کہ سب ٹھیک ہے۔کاش کہ سب ٹھیک ہوتا۔۔۔۔۔

"ہمیں یوٹیرس نکالنی پڑے گی ڈاکٹر۔۔۔آپکو یہ فیصلہ لیناہی پڑے گا زین۔۔۔۔۔ اپنی بیوی کی زندگی کے لیئے۔۔۔"

کرب انکی ذات میں ہر ہر لمحے کے ساتھ بچے جَن رہا تھا۔

ذولوجی کی کلاس تھی۔سر روسٹرم کے پیچھے کھڑے لیکچر دینے میں مصروف تھے۔عمر

کا جمائیاں لے لے کر برا حال تھا۔ جبراً آنکھیں کھلی رکھنے کی سعی میں وہ بے حال تھا۔

"یار۔۔۔۔مجھے ایک زور کی چیونٹی کاٹ دے۔اللہ کا واسطہ میری نیند بھگا دے"

اس نے باسط کے کان میں گھس کر کہا تھا۔

"آدھی ادھی رات تک اُلو بنا گھومتا رہتا ہے۔یونیورسٹی کے لان میں ڈریکولاوں کے ساتھ بھنگڑے کرتا رہتا ہے۔ بھگت اب۔"

اس نے باسط کی گردن پہ ایک چپیڑ رسید کی طرح۔زور کی آواز پہ سر نے چونک کر دیکھا۔وہ معصوم صورت بنائے انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"سالے تو کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ سر نے کلاس سے نکال دینا ہے اور آج کی بھی اٹینڈنس جائے گی"

عمر برا سا منہ بنا کر ارد گرد دیکھنے لگا۔

"باسط۔۔۔۔وہ دیکھ شہلا کو۔۔۔۔کڑھی میں جلا ہوا پکوڑا۔۔۔۔"

ناچاہتے ہوئے بھی باسط کی نظریں ادھر گھوم گئی تھیں۔وہ قدرے گندمی رنگت کی لڑکی تھی جو تیز پیلے لباس میں ملبوس تھی۔اسکی بھی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"یو ٹو۔۔۔۔۔بی اٹینٹیو"

سر نے گھورا تھا۔جوابا عمر نے انہیں گھورا تھا۔وہ پھر سے لیکچر دینے میں مصروف ہو گئے۔

"باسط سر کی توند دیکھ کیسے ہچکولے جاتی ہے جب سر بورڈ پہ لکھتے ہیں"

اس نے پھر سے سرگوشی کی تھی۔اب کہ اسکے دوسری طرف بیٹھی ساریہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔وہ نسوانی سی ہنسی سارے میں پھیل گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"دفع ہو جاؤ میری کلاس سے۔۔۔۔۔جاؤ"

سر نے چلا کر ان دونوں سے کہا تھا۔وہ سر جھکائے کتابیں سمیٹتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ساریہ میڈم تمہارے لیئے نوٹس بورڈ پہ لکھواؤں؟؟؟؟آؤٹ۔۔۔۔"

"لیکن سر میں۔۔۔۔"

"نکل جاؤ۔۔۔۔۔۔"

انکی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔وہ خجل سی ہو کر اٹھی تھی۔

"تم اہم ہو حمنہ۔ تم سب سے اہم ہو۔ تم شکر کرو تم زندہ ہو۔"

انہوں نے بیوی کا کمزور ہاتھ نرمی سے تھاما تھا۔ وہ بستر پہ لیٹی سسک رہی تھی۔

"وہ۔۔۔وہ سانس لینے لگا تھا زین۔۔۔اسکی دھڑکنیں، میں نے کئی بار محسوس کی ہیں۔۔۔وہ میرے وجود کا ایک حصہ۔۔۔میں نے اسے کھو دیا۔۔۔"

انہوں نے آہستگی سے اسکے آنسو صاف کیئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بس۔۔۔حوصلہ کرو۔۔۔بس حمنہ۔۔۔"

انہوں نے دلاسہ دیا تھا۔

"آرام کرو۔ اتنا سٹریس تمہارے لیئے اچھا نہیں ہے۔۔۔بس چپ کر جاؤ۔۔۔۔
"

ابھی تو انہوں نے وہ دردناک خبر اس سے چھپالی تھی۔

"تو ایک بد تمیز، ڈھیٹ، جاہل، فضول اور گھٹیا انسان ہے۔ بلکہ نہیں، دنیا میں جتنی گالیاں ہیں ناں، وہ سب تیرے لیئے ہیں"

کلاس سے نکالے جانے کے بعد کوریڈور میں رک کر باسط نے اسکو جھاڑ اٹھا۔

"اب سکون ہے تجھے؟؟؟؟؟"

وہ ڈھیٹ بلکہ مہا ڈھیٹ باز و وا کیئیے، دل کھول کر ہنسا تھا۔

"سکون ہی سکون ہے۔ شانتی ہی شانتی۔ آسودگی۔۔۔۔"

"یہ لعنت بھی قبول کر"

باسط نے اسے پانچ انگلیاں دکھائیں اور پلٹا۔ پیچھے ہی ساریہ بھی کلاس سے نکلی تھی۔ وہ معذرت خواہانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"سوری۔۔۔۔ ہماری وجہ سے آپکو بھی کلاس سے نکلنا پڑا۔۔۔۔"

"نہیں نہیں سوری کی کیا بات ہے۔ بلکہ میں تو شکریہ کہنے لگی تھی۔ سر کا اتنا منحوس لوری جیسا لیکچر، میں تو دعا کر رہی تھی کہ کیسے کر کے میں نکلوں کلاس سے۔۔۔۔"

"ارے واہ"

عمر نے چہک کر کہا تھا۔

"دیکھ دیکھ زرا۔۔۔۔دیکھ کیسے کیسے قدر دان ہیں میرے۔۔۔۔دیکھ اور ڈر۔۔۔۔

دیکھ اور شرم کھا۔۔۔۔کچھ سیکھ پینڈو ان شہریوں کی زیرک نظروں سے۔۔۔۔۔"

اس نے آداب کے سے انداز میں ساریہ کے سامنے ہاتھ کیا تھا۔

"بہت شکریہ مادام"

وہ کھلکھلائی تھی۔

"چلیں اسی بات پہ میں آپکو ایک اچھی سی کافی پلواتا ہوں۔۔۔۔"

باسط حق دق کھڑا انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

"یعنی یک نا شد دو شد"

وہ بے چین سی سارے گھر میں پھر رہی تھی۔اسکی حالت کسی سے بھی پوشیدہ نہیں تھی۔وہ ماں جسکا چند ماہ کا بچہ اس سے دور کر دیا گیا ہو،وہ ایسی ہی بے چین ہو سکتی تھی۔

"عادل نے کیا کرنا ہے اسے رکھ کر۔وہ کیسے سنبھالے گا اتنی سی جان۔ویسے بھی جب وہ اسے اپنا خون ہی نہیں مانتا تو۔۔۔۔۔۔۔۔"

چاچی نے اسکی ماں سے کہا تھا۔وہ دونوں توی پہ روٹیاں لگا رہی تھیں۔

"مرد ہے وہ ساجدہ۔ایسا مرد جسکی عزت یہ رول کر آئی ہے۔اسے تکلیف دینے کو وہ کیا کچھ نہیں کرے گا؟؟؟؟"

وہ چپ رہ گئیں۔

"بھلے وہ اُسکا خون نہیں،اِسکا تو ہے۔اسے پاس رکھ کر وہ اسکی دکھتی رگ پہ پیر رکھے ہوئے ہے"

شام ڈھلے منظر حسین کی واپسی ہوئی تھی۔

مغرب کی نماز قضا ہو چکی تھی۔شام کو زوال شروع ہو چکا تھا۔دور آسمان پہ وہ ننھا سا تارہ چمکنے لگا تھا جو رات کی نشانی تھا۔

"میرا مرتضیٰ میرا بیٹا آگیا۔۔۔۔"

وہ گاڑی کی آواز سن کر باہر کو بھاگی تھی۔منظر حسین اکیلے ہی گھر میں داخل ہوئے

تھے۔

"ابا جی۔۔۔۔میرا پتر۔۔۔میرا مرتضیٰ کہاں ہے؟؟؟؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا اور پھر بھائی کو۔وہ خاموش تھے۔تھکے ماندے۔

"ابا جی۔۔۔کچھ بولیں تو۔۔۔کہاں ہو وہ۔۔۔؟؟؟؟"

چاچی بھی اپنے پورشن سے نکل آئی تھیں۔

ماہ نور باپ کے پاس بیٹھی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میرا مرتضیٰ کہاں ہے ابا جی۔۔۔۔"

انہوں نے سر اٹھایا اور اسے دکھ سے دیکھا تھا۔

"تیرا پتر مر گیا دھی۔۔۔۔۔۔۔۔"

وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"آج صبح وہ فوت ہو گیا ہے۔میں جب تک وہاں پہنچا، وہ اسے دفنا بھی چکے تھے"

ماہ نور کو لگا کسی نے کوئی بھاری شے اسکے سر پہ دے ماری تھی۔اسکا ذہن ایک دم سناٹے میں آگیا تھا۔اسے لگا شائد وہ بہری ہو گئی ہے۔ہر شے اپنی آواز کھو بیٹھی تھی۔ایک جامد سناٹا تھا جو ہر شے کو ڈھانپ چکا تھا۔

منظر حسین ابھی تک نجانے کیا کیا بول رہے تھے لیکن وہ کچھ بھی سن نہیں پا رہی تھی۔ اسکا ذہن ماوف ہوتا جا رہا تھا۔

"بس صبر کر۔۔۔۔اللہ کو یہی منظور تھا"

انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔اسکی انکھوں میں لال ڈورے تیزی سے بڑھتے جا رہے تھے۔وہ چکرا کر فرش پہ آ گری تھی۔

"نوری۔۔۔۔ماہ نور۔۔۔۔نوری۔۔۔دھی رانی۔۔۔"

ابا جی، مقصود بھائی، چاچی سب اسکی طرف دوڑے تھے۔

اسکا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔سارے جسم سے گویا جان نچوڑ لی گئی تھی۔

"نوری۔۔۔میری دھی۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسکی بند پلکوں پہ خون کے قطرے نمودار ہو چکے تھے۔ناک سے خون کی وہ باریک سی لکیر بہہ کر اوپری ہونٹ تک پھیل چکی تھی۔اسکا بے جان ہوتا جسم تیزی سے ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔

عباس بالکونی میں کھڑا، خاموشی سے سڑک پہ بہتی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔زندگی اپنی رفتار سے رواں دواں تھی۔ کہیں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔سب ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

وہ فلیٹ اس نے دو ماہ پہلے خریدا تھا جب اسکی شہر میں جاب ہوئی تھی۔جاب تو اس نے دس دن بعد ہی چھوڑ دی تھی اور فلیٹ کو تالا لگا کر گاوں چلا گیا تھا۔سب دوستوں نے بہت روکا لیکن اس نے کسی کی بھی نہیں سنی تھی۔

"وہ گاؤں اور وہاں کے لوگ، وہ میرے باپ کی وصیت ہیں۔وہ سکول میرا خواب ہے۔یہاں شہر کو مجھ سے جیسے بہت سارے عباس مل جائیں گے لیکن اس گاؤں کے لئیے عباس بس میں ہی ہوں"

اور اب اسی گاؤں اور گاؤں والوں کی وجہ سے وہ واپس آ چکا تھا۔

اس نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بلند کیا اور باقی بچا سگریٹ فرش پہ پھینک دیا۔

"اتنا ہی سچا ہے تو کروا اپنا ڈی این اے ٹیسٹ اور اپنی بے گناہی ثابت کر"

عادل کی آواز گونجی تھی۔

وہ دور خلاؤں میں گھور رہا تھا۔۔۔۔

بڑے بھائی اسے گاڑی تک لائے تھے۔پیچھے ہی پریشان اور بوکھلائے ہوئے منظر صاحب تھے۔

"ایمبولنس تو بہت دیر کر دے گی۔۔۔ایسے ہی گاڑی میں لے چلتے ہیں۔۔۔"

مقصود بھائی نے کہا تھا۔اماں جلدی سے چادر اوڑھے آئی تھیں۔

"میں بھی جاؤں گی۔۔۔میری بچی کے ساتھ میں بھی جاؤں گی"

چاچی نے کئی بار پڑھ پڑھ کے پھونکا تھا۔

"باسط کو فون کر کے اطلاع کر دوں گی میں۔ وہ وہیں آجائے گا"

"ناں اسے تنگ نا کر۔ ایویں پریشان ہو گا شہر میں"

انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

"اللہ خیر کرے گا۔ ہم جا رہے ہیں ناں ہسپتال۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"

وہ ہنوز بیہوش تھی۔ ناک اور آنکھوں سے بہتا خون جمنے لگا تھا۔ ہتھیلیاں ٹھنڈی برف تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کلاس کی طرف جا رہے تھے۔ عمر نے کوئی بات کرتے ہوئے اسکی کمر میں مکا رسید کیا تھا۔ وہ بلبلا اٹھا

"بیہودہ آدمی! تو زبان سے بات کیوں نہیں کرتا؟؟؟؟ منہ کے ساتھ تیرے ہاتھوں کا کیسا ابنارمل کنکشن ہے"

وہ ہنسا تھا۔

"یہ میرا اسٹائل ہے"

"تو بچ جا مجھ سے۔میرے اندر کا بلیک بیلٹ جاگ گیا تو یہ تیری چار ہڈیاں پاش پاش ہو جائیں گی"

"یہ انسان کا نہیں فولاد کا ہاتھ ہے بیٹا۔اسے توڑنے والے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں"

وہ اگے پیچھے کلاس روم میں داخل ہوئے تھے۔باسط نے دیکھا سار یہ کل والی جگہ پہ ہی بیٹھی تھی۔اسکے برابر میں دو سیٹیں خالی تھیں۔اس سے پہلے عمر دانت نکالتا ہوا اسکی طرف بڑھ چکا تھا۔

"میڈم میڈم۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ دھپ سے اسکے برابر میں جا بیٹھا۔اسکے ساتھ والی سیٹ پہ باسط بیٹھ گیا تھا۔

"میں پیشگی معذرت کر لیتا ہوں اگر تم آج بھی میری وجہ سے کلاس سے نکال دی گئیں تو۔۔۔کیونکہ میں آج بھی وہی سب کرنے والا ہوں"

باسط نے اسے گھورا تھا

"خبردار۔۔۔میں بتا رہا ہوں تجھے میں بہت برا حشر کروں گا تیرا۔۔۔۔"

وہ قہقہہ مار کے ہنسا تھا۔

اسکا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

"یہ عام طور پہ تب ہوتا ہے جب کوئی بہت گہرا صدمہ پہنچتا ہے۔ ہماری ذہنی کپیسٹی، ہمارے جسم کی کپیسٹی سے بھی بڑا جھٹکا۔ وہ سب کو ہلا کر رکھ دیتا ہے"

اسے بے ہوشی کے عالم میں سترہ گھنٹے گزر چکے تھے۔

"دماغ میں خون کی نالی پھٹ گئی ہے جسکی وجہ سے کلاٹ بن گ ئے ہیں۔ سٹروک کا حملہ شدید ہے۔ ہم کوشش تو کر رہے ہیں، بس آپ دعا کریں کہ وہ فالج کی طرف نا جائے"

دعائیں ہی تو وہ کر رہے تھے۔

اس دن سے، جب سے وہ پیدا ہوئی تھی۔

"رب سوہنا میری دھی کو لمبی حیاتی دے۔۔۔ میری شہزادی کا نصیب اچھا کرے۔۔۔ رب سوہنا میری دھی کو ساری خوشیاں دے۔۔۔۔"

وہ بوڑھا باپ بلک بلک کر رو رہا تھا۔

اکلوتی بیٹی۔۔۔اتنے بیٹے پیارے نہیں تھے جتنی وہ عزیز تھی۔۔۔۔اس سے بڑھ کے کچھ نہیں تھا۔۔۔زمانہ کچھ بھی کہتا،انکا دل تو اسکے وجود میں ہی دھڑکتا تھا۔۔۔

اوراب،یوں،ایسے؟؟؟؟؟؟

وہ شاک میں سے نکل نہیں پا رہی تھی۔جسم کا درجہ حرارت بڑھ نہیں رہا تھا۔بلڈ پریشر بھی بہت ہائی ہونے کے بعد اب بہت نیچے آچکا تھا۔چوبیس گھنٹے بعد وہ کوما میں چلی گئی تھی۔

حمنہ گھر واپس آچکی تھی۔

ڈاکٹر زین ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ وہ اس صدمے سے باہر نکل سکے لیکن اسکا دکھ ہی اتنا بڑا تھا کہ اسے اسکے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔شادی کے اتنے سال اس نے محرومی میں گزارے تھے اور اب جب لگا تھا کہ آزمائش کٹنے والی ہے تو معلوم پڑا کہ سزا تو ابھی شروع ہوئی ہے۔زین کی ہر دلجوئی بیکار تھی۔وہ ہر طرح سے اسکا دل بہلانے کی کوششوں میں تھے۔

کئی دن بعد آج وہ اپنے کلینک پہ گۓ تھے۔

حمنہ الماری میں رکھے بچے کے کپڑے اور دوسری چیزیں نکال رہی تھی جو اس نے وہاں جمع کر رکھی تھیں۔ تبھی اسے اپنی رپورٹس والی فائل ملی تھی۔اس نے یونہی سرسری سمجھ کر دیکھنا شروع کی تھی۔

وہ جیسے جیسے پڑھتی گئی، ویسے ویسے اسکے قدموں سے جان نکلتی چلی گئی تھی۔

پسِ منظر میں بچوں کی آوازیں معدوم ہوتی چلی گئی تھیں۔وہ بے بسی سے بیٹھی ان بچوں کی چیزوں کے ڈھیر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ کوئی بے جان لاشہ تھا جو بستر پہ پڑا تھا۔

نحیف سا وجود۔۔۔۔۔حلقوں سے ڈھکی آنکھیں۔۔۔۔پچکے گال۔۔۔۔۔سوکھے ہونٹ۔۔۔۔۔ہڈیوں سے چپکی کھال۔۔۔۔

وہ گھنٹوں میں صدیوں کی مریض دکھائی دینے لگی تھی۔اب بھی بستر پہ، نالیوں اور تاروں میں الجھی پڑی تھی۔سارے کمرے میں مشین کی ٹِک ٹِک گونج رہی تھی۔

وہ اسکے پاس بیٹھے تھے۔

اسکا کمزور ہاتھ تھامے۔۔۔۔گھنٹوں سے۔۔۔۔بنا تھکے، بنا کچھ کھائے پیئے۔۔۔۔

"نوری۔۔۔۔میری دھی۔۔۔۔۔"

انکی بوڑھی آنکھوں سے بہتا وہ نمکین پانی کا قطرہ اسکی پشت پہ گرا تھا جب انہوں نے اسکی پلکوں میں لرزش محسوس کی تھی۔

پہلے تو بس عمر تھا، اب وہ بھی اسکے ساتھ مل چکی تھی۔سارہ یہ۔۔۔۔وہ اللہ ملائی جوڑی تھی۔یوں گویا پچھلے جنم میں جڑواں رہ چکے ہوں۔وہ تو روزِ ازل سے باتونی اور فسادی تھا، وہ آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔اب اس پہ آشکار ہو رہا تھا کہ وہ ہو بہو اسکا عکس تھی۔

ہلا گلا۔۔۔شرارتیں۔۔۔۔موج مستی۔۔۔۔کلاسیں بنک مارنا۔۔۔۔قہقہے۔۔۔۔

وہ ان دونوں سے مختلف تھا۔

سنجیدہ۔۔۔۔کم گو۔۔۔۔ڈیسنٹ سا۔۔۔۔۔

اور شائدا سی لیئے وہ انکی طرف کھنچتا تھا اور وہ اسکی طرف بڑھتے تھے۔مقناطیس کے دو

مختلف پول ہی تو ایک دوسرے کے لیئے کشش رکھتے ہیں ناں۔۔۔۔تو وہ دو پول ہی تھے۔وہ مشرق مغرب سہی،ایک دوسرے کے الٹ سہی،پر ایک آسمان اور ایک زمین نے انہیں جوڑ رکھا تھا۔

کہتے ہیں انسان کا جسم بڑا ڈھیٹ واقع ہوا ہے۔یہ بڑی سے بڑی جنگ ہار کے بھی ہارتا نہیں ہے۔طوفان بھی گزر جائیں تب بھی جینے کی سعی کرتا رہتا ہے۔

وہ بھی بہت ڈھیٹ تھی۔

اپنی ذات پہ لگے الزامات سے مری اور ناہی بیماری سے۔۔۔۔۔

کوما ٹوٹ گیا۔فالج کو پچھاڑ دیا۔جسم ریکوری کی طرف لوٹنے لگا تھا لیکن۔۔۔۔۔

"وہ اپنی ذہنی صلاحتیں بہت حد تک کھو چکی ہے۔وہ اب پہلے کی طرح نہیں ہے۔ اسکے اعصاب بہت کمزور ہو چکے ہیں۔اسکا برتاؤ پہلے سے یکسر مختلف ہو سکتا ہے۔ایسا ہوتا ہے۔اسے میڈیکل میں پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس اوڈر کہتے ہیں۔یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی زلزلہ آئے اور عمارت تباہ کر جائے۔تو اب وہ عمرات کبھی دوبارہ پہلے

جیسی ہو سکے گی؟؟؟؟؟؟"

وہ ڈاکٹروں کو دیکھ کر رہ گئے۔

"عمارت دوبارہ تعمیر ہو بھی سکتی ہے لیکن انسان۔۔۔۔۔۔۔"

وہ ہوش میں آتے ہی ہذیانی انداز میں چلانے لگی تھی۔سارا کمرہ اسکی چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔

"مرتضیٰ۔۔۔میرا پتر۔۔۔میرا مرتضیٰ۔۔۔۔میرا۔۔۔۔"

اپنی اولاد کا دکھ،اسکا صدمہ اسے کملی بنا چکا تھا۔

اسکی اپنی ڈی این اے رپورٹس اسکے سامنے تھیں اور وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ سر پکڑے بیٹھا رہ گیا تھا۔

"یہ۔۔۔۔۔یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔۔؟؟؟؟؟"

وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔

اسکی ڈی این اے رپورٹ مرتضیٰ کی رپورٹس کا ہو بہو تھیں۔وہ اسکا ہی جنیٹک میک اپ تھا۔

"پہلے ایک ہی بلڈ گروپ اور اب یہ۔۔۔۔۔۔۔"

اسکا ذہن ماؤف ہوتا جارہا تھا۔

وہ کوئی پہیلی تھی جو اسکی سمجھ سے باہر تھی۔وہ اگر کوئی سازش تھی تو کس کی تھی اور کیوں؟وہ سچ تو ہر گز نہیں تھا۔وہ اس لڑکی کے لئیے جان دے سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ وہ سب کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"نور کا بلڈ گروپ اے ہی ہے مجھے پتہ ہے۔عادل کا مجھے نہیں پتہ اور مرتضیٰ پہ بھی مجھے شک ہے۔مجھے اسکا ٹیسٹ دوبارہ کروانا ہوگا۔"

اس نے سوچا تھا۔دوبارہ ٹیسٹ کے لئیے سیمپل چاہئیے تھا اور وہ گاؤں جا کر ہی ممکن تھا۔ اسکے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔

"مجھے یہ کرنا ہی ہوگا۔مجھے ہر حال میں اس بچے کے نئے سیمپلز چاہئیے ہوں گے"

وہ ایک بار پھر سے گاؤں جانے کے لئیے تیار تھا۔

آسمان جیسے کوئی تھال تھا جسے کسی نے زمین پہ اوندھا کر دیا تھا۔اس تھال کے دامن میں بے تحاشا ستارے بھرے ہوئے تھے۔

وہ چھت پہ ریلنگ کے پاس کھڑی انہی ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔انکی چمک اسکی انکھوں کی چمک سے ملتی تھی۔وہ بھی مسکراتا تھا تو ساری کائنات ایسے ہی جگمگاتی تھی۔

"ڈونٹ ٹیل می سارہ یہ کہ تیرے اور اس گاؤں کے لڑکے کے بیچ کچھ چل رہا ہے"

اپنی کو تو وہ ٹال آئی تھی لیکن اب اپنے دل کے سوالوں پہ چپ رہ گئی تھی۔وہ بھی وہی پوچھ رہا تھا

"کچھ ہے ناں؟؟؟؟؟"

وہ شرما گئی تھی۔نظروں کے سامنے،ذہن کے پردوں پہ چھپی وہ چھب اسے مسکرانے پہ اکسا رہی تھی۔

اور یہی تو ہونے لگا تھا۔

آج کل دل بس آپوں آپ مسکراتا رہتا تھا۔اسکا دل چاہتا تھا اسے دیکھتی رہے اور وہ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مسکراتا رہے۔وہ بولتا رہے اور وہ سنتی رہی۔اسکا کسی پر سکون جھیل کے پانیوں جیسا لہجہ اسکے اندر سیلاب مچائے رکھتا تھا۔وہ اس جل تھل میں ڈوبے رہنا چاہتی تھی۔

"کیا میں پاگل ہو رہی ہوں؟؟؟؟؟"

اس نے خود سے سوال کیا تھا

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟؟؟؟؟"

شائد وہ دیوانی ہو چکی تھی۔کملی۔کسی کے پریم میں پگلی۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تقریباً دس دن تک وہ ہسپتال میں ہی تھی۔پھر اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔

"اسکا بہت خیال رکھیئے گا۔اسے شدید کیئر کی ضرورت ہے۔محبت اور شفقت ہی اسے واپس نارمل زندگی کی طرف لا سکتی ہے۔"

وہ گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔

پچھلی سیٹ پہ اسکے ایک طرف اماں تھیں اور دوسری طرف بھائی۔اس نہر کے پاس سے گزرتے ہوئے اسکی نظر شیشے کے اس پار کھیلتے ہوئے بچوں پہ پڑی تھی۔وہ یکدم

آگے کو ہوئی تھی۔

"میرا بیٹا۔۔۔مرتضیٰ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔وہاں ہے۔۔۔۔مرتضی۔۔۔۔۔

میرا۔۔۔۔۔"

وہ ویسے ہی چلانے لگی تھی۔انہیں اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔وہ ان سے خود کو چھڑوا کر،بچوں کے پیچھے باہر نکلنے کو بیتاب تھی۔

"مجھے۔۔۔۔جانا ہے۔۔۔۔میرا پتر ہے۔۔۔۔وہ۔۔۔۔وہاں۔۔۔۔"

اس نے بھائی کے ہاتھ کو چبا ڈالا تھا۔وہ تکلیف سے دانت بھینچ کر رہ گیا لیکن اسے قابو کیئے رکھا تھا۔وہ جنونی ہو رہی تھی۔

"بس۔۔۔میری دھی بس۔۔۔۔بس ہم گھر جا رہے ہیں۔۔۔چل بس۔۔۔۔"

اماں اسے پچکار رہی تھیں۔

وہ اسے گاڑی سے گھر تک لائے تو اسکی چیخیں اور شور سن کر مجمع اکٹھا ہو چکا تھا۔

تاسف بھری نظریں۔۔۔۔کچھ طنزیہ جملے۔۔۔۔کچھ چبھتی نظریں۔۔۔۔۔

منظر حسین سر جھکا کر اندر چلے گ ئے تھے۔وہ بے بس تھے۔وہ اپنی بیٹی کو بھلا چنگا کر

سکتے تھے اور نا ہی لوگوں کی زبانیں بند کروا سکتے تھے۔انکے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔وہ بس ایک بات جانتے تھے۔

انکی بیٹی کو کسی تھُڑدلے کی نظر کھا گئی تھی۔

"میں دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتی، تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی زین؟؟؟؟"

وہ حلق کے بل چلائی تھی۔وہ اسے دیکھ کر رہ گئے تھے

"مجھ سے میرے وجود کو چھین کر ہمیشہ کے لئیے بانجھ کر دینے کا فیصلہ لینے والے تم کون ہوتے ہو؟؟؟؟"

وہ بس چلاتی جارہی تھی۔

"تم نے کیوں کیا ایسا؟؟؟؟اتنا بڑا فیصلہ زین، مجھ سے پوچھے بنا۔۔۔۔؟؟؟؟"

انہوں نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دے سکتا تھا۔میں تمہیں یہ سب بتا کر تکلیف بھی نہیں دے سکتا تھا۔میں تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں حمنہ "

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"خوش؟؟؟؟؟"

وہ انکی طرف بڑھی اور ان کے سینے پہ ہاتھ مارا تھا

"اب خوش ہوں میں؟؟؟ یہ خوشی ہے؟؟؟؟ کسی عورت سے اسکی مامتا چھین لو گے اور وہ خوش رہے گی؟؟؟؟"

وہ انہیں مارتی چلی گئی تھی

"ہاں دیکھو۔۔۔یہ دیکھو خوشی۔۔۔۔یہ دیکھو میری آنکھوں سے بہتی ہوئی۔۔۔۔یہ خوشی ہے ناں؟؟؟؟؟ یہ دیکھو۔۔۔۔۔"

انہیں اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

"بس۔۔۔۔حمنہ پلیز بس۔۔۔۔خود کو سنبھالو۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔"

وہ انکے سینے سے لگی بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

وہ دونوں رات میں واک کے لئیے نکلے تھے۔

سڑک خالی پڑی تھی۔ سٹریٹ لائٹس دھیمے دھیمے کچھ گنگنا رہی تھیں۔

"تجھے سار یہ کیسی لگتی ہے؟؟؟"

عمر نے اچانک سے پوچھا تھا۔ وہ اس کے لیئے تیار نہیں تھا تو گڑبڑا کر رہ گیا۔

"ک ک کیا مطلب کیسی؟؟؟؟؟"

"کیسی مطلب کیسی؟؟؟؟؟؟؟؟"

اس نے کندھے اچکا دیئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اچھی ہے"

"اچھی یا بہت اچھی؟؟؟؟"

باسط نے اسے گھورا

"جو کہنا ہے سیدھی طرح بول دے، تمہیدیں کیوں باندھ رہا ہے؟؟؟؟؟"

وہ رک گیا تھا۔ باسط بھی رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے لگتا ہے مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے"

باسط کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ سٹریٹ کی ناکافی روشنی کے باوجود عمر اسکے چہرے کی بدلتی رنگت بھانپ گیا تھا۔

"اچھ۔۔۔۔اچھی بات ہے۔۔۔۔"

اسے بہت دیر لگی لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"وہ اچھی لڑکی ہے"

اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر سے چلنے لگا۔ عمر کا زوردار قہقہہ سناٹے کی دبیز چادر تار تار کر گیا تھا۔

"ہائے ہائے۔۔۔۔۔میرا بھولا روم میٹ۔۔۔۔میرا پیارا میں پاگل دوست۔۔۔۔۔ اف۔۔۔۔"

باسط نے نا سمجھنے کے سے انداز میں اسے دیکھا تھا

"مطلب؟؟؟؟؟"

"مطلب تو فیل ہوتے ہوتے رہ گیا؟؟؟"

"سیدھی طرح بکواس کر"

وہ جھنجھلا گیا تھا

"سیدھی بات یہ ہے کہ اسے سیدھا سیدھا بول دے،وہ سب جو تیرے دل میں ہے۔۔۔اس سے پہلے کہ کوئی میرے جیسا رقیب بیچ میں کود پڑے۔۔۔۔"

وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا تھا جواب مسکرا رہا تھا۔

"مطلب تو وہ سب۔۔۔تو اس سے پیار نہیں۔۔۔۔۔سالے ٹھہر جا تو۔۔۔۔۔"

اس اونگھتی سڑک کو ان آگے پیچھے دوڑتے قدموں نے بے آرام کر دیا تھا۔

آج کی رات بھی اسی رات جیسی تھی۔آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔تیز ہوا اور دور کہیں بجی کی لشک بھی تھی۔بارش اتنی شدید تو نہیں تھی لیکن وہ پورا بھگ چکا تھا۔

وہ لمبا سیاہ چوغہ پہنے،سر پہ ترچھی کیپ پہنے،آنکھوں پہ گلاسز،حویلی کے دروازے پہ کھڑا تھا۔داہناں ہاتھ اپر کی جیب میں ڈال کر اس نے پستول کی موجودگی کو یقینی بنایا تھا۔

اس کے سب سوالوں کے جواب اس حویلی میں موجود تھے۔ان سب گتھیوں کے الجھے

سرے وہیں آکر ملتے تھے۔

"مجھے ہر حال میں اس بچے کا بلڈ سیمپل چاہیئے۔اس کے لئیے مجھے اسے اغوا بھی کرنا پڑا تو میں کروں گا"

تبھی اس نے حویلی کی ملازمہ کو آتے دیکھا تھا۔اس نے جلدی سے چہرہ چھپایا اور اسے آواز دی

"سنو۔۔۔۔۔۔"

وہ رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"عادل سائیں اور انکی بیوی بچہ گھر پہ ہیں؟؟؟؟؟"

ملازمہ نے اسے اچھنبے سے دیکھا

"آپ کون جی؟؟؟؟"

"میں انکا دوست ہوں، ملنے آیا ہوں"

وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپکو نہیں پتہ جی؟؟؟؟"

"کیا؟؟؟؟؟"

بارش اسکی کیپ سے قطروں کی صورت میں گر رہی تھی۔

"عادل صاحب نے تو اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی۔اور انکا بچہ بھی فوت ہو گیا ہے۔ دو ہفتے ہو گئے ہیں۔۔۔۔"

اب کہ بجلی ایسی زور سے کڑکی تھی کہ ساری حویلی روشنی میں نہا گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"امی کی ڈیتھ کے بعد تو میرے لئیے دنیا ہی ختم ہو گئی تھی۔وہ تو جیسے میرے لئیے کل جہان تھیں۔انکے بعد ہر شے بے معنی ہوتی چلی گئی۔"

ساریہ دھیمے لہجے میں بولتی جا رہی تھی۔وہ دونوں اسکے سامنے بیٹھے خاموشی سے سن رہے تھے۔

"ہر شے سے دل اچاٹ ہو گیا۔نا کھانا پینا،نا ہنسنا بولنا،بس انکی یادیں اور ماتم۔موت اسی کا تو نام ہے۔ماتم"

باسط نے اسکی کانچ جیسی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دیکھی تھی۔

"میرے ابو نا ہوتے تو شائد میں اسی رونے دھونے میں فنا ہو جاتی۔انہوں نے ہی میری دھارا کو موڑ کے واپس زندگی جینے پہ آمادہ کیا ہے۔"

اس نے آنکھ کا کونا صاف کیا تھا۔

"بس اتنی سی ہی ہے میری کہانی۔"

وہ روتی آنکھوں سے مسکرائی اور عمر کو دیکھا

" Its your turn gentleman "

وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے سپر ہیرو فادر کی باتیں یا تمہاری آئرن لیڈی مدر کی کہانی؟؟؟؟؟"

باسط کو لگا ایک لمحے کے لیئے اسکے چہرے پہ سایہ سا لہرایا تھا۔اسکے چہرے کی رنگت پھیکی پڑتی چلی گئی تھی۔

"وہ۔۔۔میں۔۔۔دراصل"

وہ ہکلایا بھی تھا۔اسے کچھ دیر لگی تھی واپس اپنی جون میں آنے کے لیےاور پھر سے وہ پرانا عمر بن گیا تھا۔

"میں ہی اپنا سپر ہیرو ہوں اور میں خود ہی آئرن مین ہوں۔"

وہ بشاشت سے بولا اور اٹھ کھڑا ہوا

"تمہاری اتنی دکھی کہانی سن کے تو میں سینٹی ہو گیا ہوں۔تم لوگ بیٹھو میں کچھ کھانے پینے کو لیکر آتا ہوں۔۔۔۔"

وہ کیفے چلا گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ دونوں وہیں پہ بیٹھے رہ گئے تھے۔ایک دوسرے سے کچھ دور لیکن زرا سے پاس۔ اس بے تحاشا نیلے آسمان کے نیچے جس میں دور کہیں کبوتروں کے غول اڑتے پھر رہے تھے۔اس زمردیں مخملیں گھاس پہ جس کی ہلکی سی باس اندر تک تازگی بھر رہی تھی۔ وہیں جہاں پھولوں سے لدے کیاروں پہ تتلیوں کے جھنڈ گنگناتے پھر رہے تھے۔زرا کوئی غور سے سنتا تو جان لیتا کہ وہ محبت کی سرگم تھی جو انکی دھیمی آوازوں میں بہت دور تک گونج رہی تھی۔

باسط نے ویسے ہی گھاس کا تنکا اکھیڑا اور کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ اسے دیکھتی ہوئی نظریں جھکا گئی تھی۔ وہ پل خاموشی کی نظر ہوا اور آگے بہت سے پل بھی۔ لفظ ہونٹوں پہ دھرے رہ گئے تھے۔ کچھ باتیں آنکھوں میں تیرتی رہ گئی تھیں۔

وہ حد سے زیادہ چڑچڑی ہو چکی تھی۔ بات بے بات، وقت بے وقت وہ ڈاکٹر زین سے لڑنے لگتی تھی۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر رونے لگتی تھی۔ اسکی آنکھیں تو ہر وقت متورم رہنے لگی تھیں۔

"کم آن حمنہ۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

انکے سمجھانے یا اسے حوصلے دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔

"بی بریو یار۔ مشکلیں تو آتی رہتی ہیں۔ تم کچھ تو بہادری دکھاؤ۔ ایسے رونے دھونے اور چیخنے چلانے سے کیا ہو گا؟؟؟؟؟"

"میں بانجھ عورت تمہیں اولاد تک نہیں دے سکتی"

وہ رونے لگی تھی۔ انہوں نے اڈے ساتھ لگا لیا

"مجھے نہیں چاہئیے اولاد۔مجھے بس تم چاہئیے ہو"

"لیکن مجھے چاہئیے"

وہ زور سے چلائی

"یہ خالی گھر اب مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔مجھے ہر وقت یہاں بچوں کی قلقاریاں سنائی دینے لگی تھیں لیکن اب۔۔۔۔اب یہ سناٹا مجھے بہرا کر دے گا زین"

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں حمنہ ؟؟؟؟تقدیر سے کیسے لڑیں ؟؟؟؟؟؟"

وہ بحث۔۔۔جھگڑے۔۔۔۔روزروز کی لڑائی۔۔۔۔

وہ سب معمول بن چکا تھا۔

نیلے آسمان میں سفید روئی جیسی بدلیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔آنگن میں کھڑے درختوں کی اونچی شاخوں سے تیز ہوا جھگڑنے میں مصروف تھیں۔ان کی تُوتُو میں میں سے ساری فضا گونج رہی تھی۔دیوار کے ساتھ ساتھ بنی اس کیاری میں گلابوں کے

جھنڈ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ ہوا یہاں بھی چور بنی انکی میٹھی باس اپنی جیبوں میں بھرنے میں لگی ہوئی تھی۔

وہیں فرش پہ، مٹی میں انگلیاں پھیرتی وہ کملی جھلی بیٹھی تھی۔ سر ار ہنیواڑے، خاموشی سے۔۔۔۔

تبھی باہر گلی میں سے بچوں کی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور باہر کو بھاگی تھی۔

"میرا پتر آگیا۔۔۔ میرا مرتضیٰ۔۔۔۔ میرا۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسکا ڈوپٹہ وہیں دروازے سے پیچھے رہ گیا تھا۔ بال شانوں پہ بکھرتے چلے گئے تھے۔ جوتوں سے بے نیاز پیروں سے بھاگتی وہ گلی میں تھی۔ بچوں کے پیچھے "میرا پتر، میرا مرتضیٰ" کہتی ہوئی۔ چھوٹے بچے ڈر لے روتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ انکے پیچھے بھاگتی جارہی تھی۔

"رکو۔۔۔ پتر۔۔۔ مرتضیٰ۔۔۔۔ میں۔۔۔ میں تمہاری۔۔۔"

انکے ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے انکو ویلکم دینے کے لئیے وہ پارٹی ارینج کی گئی تھی۔

اس بڑے سے ہال میں ان گنت روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ پسِ منظر میں سنائی دیتی موسیقی کی دھنیں اور ہنسی مذاق کی آوازیں۔ عمر دور کھڑا کسی لڑکے سے باتوں میں مصروف تھا۔ باسط وہیں ایک کرسی پہ منتظر سا بیٹھا تھا جب اس نے ساریہ کو اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔

سبز رنگ کی خوبصورت سی پوشاک میں ملبوس وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اسکی آنکھیں خیرہ ہونے لگی تھیں۔ وہ آپوں آپ اپنی جگہ سے اٹھا اور اسکی طرف بڑھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔ اسکی آنکھوں میں اپنے لئیے تیرتی ستائش دیکھ کر اس ساری تیاری کی تھکان دور ہو گئی تھی۔

"تم اچھی لگ رہی ہو"

یہ پہلا قدم تھا جو باسط نظر حسن نے اسکی طرف بڑھا تھا۔ چلو وہی گھسا پٹا سہی لیکن وہ آگے بڑھا تو تھا۔

"جانتی ہوں"

وہ اٹھلائی تھی۔

وہ رات بہت خوبصورت تھی۔وہ رات بہت یادگار بننے والی تھی۔

"توسب کچھ ختم ہو گیا؟؟؟؟؟"

اس نے تھک کر سوچا تھا۔وہ جتنا اس بارے میں سوچ رہا تھا،اتنی زیادہ تکلیف ہو رہی تھی۔

"میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ تھا اور اب وہ بھی ہمیشہ کے لیئے بند ہو گیا۔یا اللہ------------"

اس نے سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔

اسے زیادہ تکلیف یہ تھی کہ اسکے ساتھ ساتھ وہ بھی اس الزام کے داغ دھبوں سے سیاہ کر دی گئی تھی۔اپنی ذات سے زیادہ اسے اسکی ذات کی تکلیف،تکلیف دیتی تھی۔

"جانے وہ اپنے گھر میں کس حال میں ہو گی۔عادل نے تو اسکے ساتھ ظلم کی انتہا کر دی ہے،اسکے بھائیوں نے بھی کچھ کم نہیں کیا ہو گا۔۔۔۔"

اس نے ایک بار سامنے فرش پہ بکھری ان رپورٹس کو گھورا تھا۔اسے اس مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

"عادل سائیں۔۔۔۔۔۔"

اس نے چونک کر ان رپورٹس کو دیکھا تھا۔اسکی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

وہ حمنہ کی بات سن کر شاکڈ رہ گۓ تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ دوسری شادی کر لیں زین"

انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھ سے تو آپ کو اولاد کی خوشی مل نہیں سکتی ہے تو آپ دوسری شادی کر لیں۔میں آپکو اجازت دیتی ہوں"

"سٹاپ اٹ حمنہ"

انہوں نے چائے کا کپ میز پہ رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے

"اس میں کیا برائی ہے زین؟؟؟؟"

وہ فوراً بولی تھی۔

"یہ شرعاً اور قانوناً جائز ہے"

"میں کہہ رہا ہوں بس کرو۔ میں نے اس دن بھی کہا تھا کہ میرے لیئے تم کافی ہو۔ تم سے زیادہ کچھ نہیں"

وہ بولتے چلے گ ئے تھے۔

"تمہارے ساتھ اولاد نہیں تو نا سہی۔۔۔"

انہوں نے اپنا بیگ اٹھایا تھا

"اور دوبارہ میں تمہارے منہ سے یہ سب خرافات نا سنوں"

اسے تنبیہہ کے سے انداز میں کہتے وہ باہر نکل گ ئے تھے۔

وہ واقعی میں انکی زندگی کی خوشگوار ترین رات ہوتی اگر وہ سب نا ہوتا۔

پارٹی جاری تھی۔ عمر اور ساریہ کھڑے باتوں میں مصروف تھے جب باسط کولڈ ڈرنکس لیئے انکی طرف آیا تھا۔اس نے ان دونوں کی طرف ایک ایک گلاس بڑھایا تھا۔

"میں ساریہ سے کہہ رہا تھا یہ بالکل پاکستان کا جھنڈا لگ رہی ہے۔میں تو اسے پہچان نہیں سکا تھا۔اسے دیکھتے ہی میں نے تو ترانہ پڑھنا بھی شروع کر دیا تھا"

"شٹ اپ"

وہ درشتی سے بولی اور باسط مسکرایا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ تینوں خوش گپیوں میں مصروف تھے جب وہ لڑکا ساریہ کے پاس سے گزرا تھا اور اسکے کندھے کو ٹھوکا دیا تھا۔اس کے ہاتھ میں موجود مشروب کا گلاس چھلک پڑا اور اسکے لباس پہ دور تک پھیل گیا تھا۔

وہ تو شائد چپ کر جاتی اگر باسط کی نظر نا پڑتی۔اس نے شعلہ بار نظروں سے اس لڑکے کو گھورا جواب اپنے دوستوں کے ساتھ ہنستا ہوا انکی طرف دیکھ رہا تھا۔اسکی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔وہ تیزی سے چلتا ہوا اس لڑکے کی طرف بڑھا اور اسے قہر بھری نظروں

سے دیکھا تھا۔

"اپنی اوقات میں رہ۔ سمجھا؟؟؟؟؟؟"

اسکا لہجہ درشت تھا اور آنکھوں میں غصہ بھرا تھا

"تو مجھے اوقات بتائے گا پینڈو؟؟؟؟ تجھے اپنی اوقات پتہ ہے؟؟؟"

وہ استہزاء سے اسے دیکھ رہا تھا

"ہاں پتہ ہے لیکن شائد تجھے نہیں پتہ۔ تیرے جیسے آوارہ کتے میں نے بہت دیکھے ہیں

اپنے گاؤں کی گلیوں میں اور ان سے نمٹنا بھی بہت اچھے سے آتا ہے مجھے"

"سالے بہن۔۔۔۔۔۔"

اس لڑکے نے باسط کا گریبان پکڑ لیا تھا جب ساریہ تیزی سے انکی طرف آئی تھی۔

"چلو باسط۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔دفع کرو۔۔۔۔چلو"

عمر بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے باسط کو کھینچ کر اس سے علیحدہ کیا اور قریباً قریباً گھسیٹتا ہوا

اس لڑکے سے دور لایا تھا۔ باسط ابھی بھی اسے شعلہ بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں لے جاؤ اس کو باندھو جا کے۔ایسے آوارہ جانوروں کو کھلا نہیں چھوڑتے"

اس لڑکے نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔عمر نے اسکا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔

"باسط اگنور کر۔۔۔نہیں۔۔۔چل۔۔۔چل یار ہم چلتے ہیں۔۔۔"

اس نے ساریہ کو اشارہ کیا۔

پسِ منظر میں میوزک ابھی تک بج رہا تھا۔وہاں موجود لڑکے لڑکیاں انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔وہ لڑکا ابھی تک استہزاء سے بھرے جملے کس رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"لے جاؤ اسے۔۔۔سمجھا کیا ہوا ہے مجھے۔جا چلا جا اور اپنی اس رکھیل کو بھی لے جا۔۔۔۔۔۔"

یہ اسکے ضبط کی حد تھی۔

وہ اپنی ذات پہ کیچڑ سہہ سکتا تھا لیکن اس کے لیئے کوئی بھی گالی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔کوئی بھی نہیں کر سکتا ہے۔

وہ آندھی طوفان کی طرح واپس پلٹا تھا۔ساریہ اور عمر کی آوازوں کو خاطر میں نالاتے ہوئے وہ اس لڑکے کی طرف بڑھا اور اسکی ناک پہ مکا رسید کیا تھا۔وہ لڑکھڑا سا گیا۔

باسط نے اسے گریبان سے پکڑ کے زمین پہ پٹخا اور اسکے منہ پہ مکوں کی بارش کر دی تھی۔

وہ شام اپنے ساتھ پریشانی کی بارش لیکر اس گھر حویلی پہ برسی تھی۔ماہ نور کی ماں بن آب کی ماہی کے ایسے بڑے آنگن سے دروازے تک چکر کاٹتی رہی تھیں۔

"نوری۔۔۔۔کہاں رہ گئی۔۔۔۔ماہ نور؟؟؟؟؟"

وہ اکثر بچوں کے پیچھے پیچھے باہر نکل جاتی تھی لیکن پھر لوٹ بھی آتی تھی۔آج جانے کب نکلی تھی اور کہاں کو چلی گئی تھی کہ ابھی تک واپس نہیں پہنچی تھی۔ایک ایک کر کے اسکے بھائی کام دھندوں سے لوٹے تو انہوں نے ایک ایک کو دوڑایا۔کوئی کھیتوں تک گیا،کوئی ڈیرے میں دیکھ کر آیا۔اعجاز تو پکی سڑک گیا تھا پر اسکا کوئی نام نشان نہیں تھا۔

اماں کا رو رو کر برا حال تھا۔چاچی انہیں سنبھالنے میں ہلکان ہو رہی تھیں۔

"میری بچی۔۔۔۔میری دھی۔۔۔۔کہاں چلی گئی۔۔۔۔کوئی اسے ڈھونڈ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لاؤ۔۔۔"

وہ اسے گالیاں دیتی تھیں، کوسنے سناتی تھیں۔اسکے ساتھ مارپیٹ کرتی تھیں پر یہ سکون تھا کہ وہ نظروں کے سامنے تھی۔یوں نہیں کہ اسکا کچھ پتہ نہیں تھا۔

"میری نوری کو ڈھونڈ لائیں۔۔۔وہ کملی سی،اسے تو اپنا ہوش نہیں۔۔۔کسی بدنیت کی رال ٹپکی تو۔۔۔نہیں نہیں۔۔۔مقصود کے ابا میری نوری کو ڈھونڈ لائیں۔۔۔"

منظر حسین مارے مارے سارے پنڈ میں پھرے تھے۔بار بار صافے سے پسینہ پونچھتے،چبھن زدہ آنکھوں کو رگڑتے،نوری نوری پکارتے ہوئے۔۔۔

شام کسی مضمحل بڑھیا کے جیسی،اپنی جھکی ہوئی کمر پہ ہاتھ رکھے ہولے ہولے چلی جا رہی تھی جب انہیں وہ دکھائی دی۔

اپنی کملی جھلی دھی۔۔۔

پانی کے نالے کے پاس،جامن کے پیروں کی چھاؤں میں بے سدھ سوئی پڑی تھی۔ارد گرد سے بے نیاز،ہوش و خرد سے بیگانہ۔۔۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے۔

"رب سوہنیا۔۔۔۔۔میری دھی کی آزمائش اتنی سخت کیوں۔۔۔۔اتنا ظلم کیوں۔۔۔۔۔ایسا بھی کیا میرے مالک۔۔۔"

اس شام جب وہ باپ اپنی جوان پاگل ہو چکی بیٹی کو سہارا دیئے گھر لا رہا تھا تو اسکی کمر بڑھاپے سے نہیں، تھکان سے جھکی جا رہی تھی۔۔۔۔

اس سٹریٹ لائٹ کی ناکافی روشنی میں ساریہ نے اسکا چہرہ دیکھا تھا۔اسکے چہرے پہ داہنی طرف دور تک وہ نشان تھا۔سفید شرٹ پہ جا بجا خون کے چھینٹے تھے۔گریبان پھٹ چکا تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں اتنا تماشہ لگانے کی باسط؟؟؟؟؟؟"

وہ اسے دیکھتے ہوئے سوال کناں تھی۔

"میں اسے قتل کر دیتا تو بھی مجھے سکون نا ملتا کہ اس نے تمہارے لیئے جو لفظ بولا۔۔۔۔۔۔"

اسکے اندر کے بھانبڑ ابھی بجھے نہیں تھے۔

"مجھے اپنی ذات کی تحقیر گوارا ہے سار یہ لیکن تمہاری نہیں۔ کبھی بھی نہیں"

وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم کس کس سے لڑو گے ؟؟؟؟کس کس کی آنکھیں نوچو گے ؟؟؟؟"

"میں ساری دنیا کو اندھا کر دوں گا۔میں ساری دنیا کو قبرستان بنا دوں گا"

اسکی سانسیں دھونکنی کے جیسے چل رہی تھیں۔اس نے آگے بڑھ کر اسکا چہرہ مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں بھرا تھا۔

"کسی کی مردانگی اگر عورت کی ذات کو کمزور جان کر اسکی عزت پہ ہاتھ ڈالنے تک کی ہے تو میں اس مردانگی کو درندگی سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔اگر کسی کو تمہیں عزت سے دیکھنا نہیں آتا تو اسے کچھ بھی دیکھنے کا حق نہیں ہے۔اسے تمہیں کچھ بھی کہنے کا حق نہیں ہے"

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتا بولتا چلا گیا تھا۔

"صرف اسے جسے تم یہ حق خود دو سار یہ۔۔۔۔۔اگر تم یہ حق کسی کو دو۔۔۔۔۔۔"

ساریہ نے خاموشی سے اپنا ماتھا اسکے سر سے ٹکا دیا تھا۔ وہ اسے سارے حق سونپ چکی تھی۔

سٹریٹ لائٹ کی روشنی کسی بارش کے جیسے انہیں بھگو رہی تھی۔

"تم میری خیر ہو ساریہ۔۔۔۔ تم سے محبت میری کل پونجی ہے۔۔۔۔۔ تمہاری آنکھیں میری بہشت ہیں۔۔۔۔۔"

تاروں سے بھرا آسمان انہیں ایک ٹِک دیکھ رہا تھا۔

"بڑا گُھنا ہے بھئی تو۔ مان گیا میں"

عمر نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور منہ کے زاویئے بگاڑ کر کہا تھا۔

"میرے سامنے یوں بنا رہے گا جیسے تجھ سے بیبا بچہ اس دنیا میں کوئی نہیں ہے اور اسے منہ پھاڑ کے قصیدے سنا کر آیا ہے۔ صحیح ہے بیٹا۔ ویری گڈ"

باسط مسکراتے ہوئے شرٹ استری کرتا رہا تھا۔

"مجھ شہری سے تو تُو پینڈو اچھا رہ گیا۔ نا شکل نا صورت اور سب مل بھی گیا۔ لڑکی بھی

اور سب کے سامنے ولن کو مار کے واہ واہ بھی"

"جل کیوں رہا ہے؟؟؟؟"

"جلتی ہے میری جوتی"

وہ فوراً بولا تھا۔

"ایکچوئیلی وہ بھی نہیں جلتی۔"

باسط ہنس دیا تھا۔

ان سے دور، بہت دور اپنے کمرے میں بستر پہ لیٹی سار یہ چھت کو گھور رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں تو ابھی تک وہ منظر ہی اٹکا تھا جب وہ اسکے سامنے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جب وہ اسے اپنی بہشت کہتا تھا۔ جب وہ اپنی محبت کو کسی عبادت جیسا معتبر مان کر اپنے لیئے خیر کہتا تھا۔ اور وہ اسے کہتا تھا کہ وہ دنیا میں سب سے اہم ہے اور اسکے لیئے جنگیں لڑی جاسکتی ہیں۔

اس نے آسودگی سے آنکھیں موندلی تھیں۔

اسے کسی جنگ کی خواہش نہیں تھی۔ اسکے لیئے تو بس وہ خواہش تھا۔

ڈاکٹر زین نے وہ چند ماہ کا بچہ اسکی گود میں دیا تھا۔وہ حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"یہ۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟"

انہوں نے پیار سے بچے کو دیکھا تھا۔

"ماں پیدا کرتے ہی مر گئی۔باپ اتنے سے بچے کو پال نہیں سکتا تھا تو اسے یتیم خانے میں ڈال دیا"

حمنہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"قدرت بھی کیسے کیسے امتحان لیتی ہے۔کسی کو نواز کے آزماتی ہے اور کسی کو خالی دامن رکھ کر"

انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

"تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارا اکیلا پن دور کروں گا۔دیکھو قدرت نے کیسا اچھا سبب بنا دیا ہے"

وہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"بس یہ آج سے تمہارا بیٹا ہے۔اسکا اچھا سا نام رکھو اور بس اسی سے اپنی تنہائی دور کرو۔۔۔۔۔"

وہ اسے پیار سے دیکھ رہی تھی۔بچہ بھی قلقاریاں بھرنے لگا تھا۔

زندگی ایک نئی ڈگر پہ چل پڑی تھی۔

کلاس میں ساریہ عمران کی دائیں طرف سے اٹھ کر باسط کی بائیں جانب آچکی تھی۔اب وہ دوست اور محبوبہ کے درمیان میں سینڈوچ بن چکا تھا۔ایک کان میں وہ میٹھی راگنی جیسی آواز گھلی رہتی تھی اور دوسرے میں چاں چاں کاں کاں۔

اب ایسا ہونے لگا تھا کہ وہ دونوں چپ چاپ کلاس بنک کرکے لان میں بیٹھے باتوں میں مصروف ملتے یا کیفے میں بھاپ اڑاتے کھانے کے ساتھ دکھائی دیتے۔

"کبھی اللہ توبہ بھی کرلیا کرو تم دونوں۔بی بی کچھ لحاظ کرو اور تو پینڈو، گاؤں سے ماں کے زیور بیچ کر شہر عاشقی معشوقی کرنے آیا ہے؟؟؟؟"

عمر تپ جاتا

"تو دوست کا حصہ کم کرتا جارہا ہے"

اسکا گلہ ہوتا۔ باسط کندھے اچکا دیتا

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تو سارے کا سارا اسکا ہی ہوں"

وہ منہ بناتا

"ہونہہ۔ نگوڑ مارا رانجھا"

وہ پھر کہتا

NEW ERA MAGAZINE

"مجنوں کی اولاد چار لفظ پڑھ بھی لیا کر کہ کچھ فلاح مل جائے"

وہ ہنس دیتا۔ اسے پتہ تھا وہ ان کے لیئے دل سے خوش تھا۔

اس شام وہ واک کے لیئے نکلی تھی۔

کان میں ہینڈز فری تھی اور وہ باسط سے باتوں میں مصروف روز کی طرح کالونی کی سڑک پہ ٹہل رہی تھی۔

"پتہ ہے میری زندگی خزاں رسیدہ تھی۔ یہاں آسودگی کے درخت اپنا آپ کھو چکے تھے۔ تم نے انکی ٹنڈ منڈ ڈالیوں پہ نئی کونپلیں کھلا دی ہیں۔"

وہ مسکرا دیا تھا

"تمہارا شکریہ"

"شکریہ تو تمہارا ہے مادام"

وہ ہولے سے بولا تھا

"میں شہر کا اجڈ گنوار پینڈو سا لڑکا اور تم ٹھہریں شہر کی پر اعتماد، پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی۔ تم نے مجھے چن کر مجھے زوہیب (سونے کا) کر دیا ہے"

وہ یونہی باتوں میں مگن بڑی سڑک سے راونڈ لیکر پلٹنے کو تھی جب وہ گاڑی اسکے پاس رکی تھی۔

سڑک پہ دور تک ٹائر چرچرائے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی، وہ نقاب پوش نکلا اور اسکے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اسے گاڑی میں دھکیلا تھا۔ اسکی چیخ گھٹ کر رہ گئی تھی اور فون وہیں سڑک پہ گر گیا تھا۔

دوسری طرف باسط پریشان سا فون کان سے لگائے بیٹھا رہ گیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔سار یہ۔۔۔۔۔سار یہ؟؟؟۔۔۔کیا ہوا؟؟؟؟۔۔۔۔۔جواب دو۔۔۔۔۔سار یہ۔۔۔۔۔ہیلو۔۔۔۔۔"

عباس نے دور سے جیپ آتی تو وہ جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ناک تک بندھے رومال نے چہرہ بہت حد تک ڈھانپ رکھا تھا۔باقی کی کسر سر پہ ترچھی پہنی پی کیپ نے پوری کر دی تھی۔

دھول اڑاتی سڑک پہ عادل کی جیپ نزدیک آتی جا رہی تھی۔وہ چوکس سا ہو گیا تھا۔

پچھلے تین چار دن سے وہ اسی میں لگا ہوا تھا۔ان سب گتھیوں کی سلجھن یقیناً ایک شخص کے ہاتھ میں تھی جو عادل تھا۔وہ ہر جواب جانتا تھا۔وہ اگر قابو میں آ جاتا تو ممکن تھا کہ اسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیئے کوئی راستہ ضرور مل جاتا۔اسی لیئے اب وہ اسکے معمولات کا جائزہ لینے کے بعد،اسکے پیچھے تھا۔

وہ روز صبح پو پھوٹتے ہی ایک چکر اپنے ڈیرے کا لگاتا تھا۔اس دوران اسے قابو کیا جا سکتا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھا۔ سڑک سنسان ہوتی تھی۔

اب بھی عباس نے ڈیش بورڈ پہ رکھی پستول اٹھا کر اپر کی جیب میں ڈالی اور گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ جیسے ہی عادل کی جیپ اسکے پاس سے گزری، اس نے اسکا پیچھا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے تحاشا گاڑی بھگاتا ہوا اس تک جا ملا تھا۔ بڑی سڑک شروع ہوتے ہی اس نے گاڑی کی رفتار تیز کی اور اسکی جیپ سے آگے بڑھ کر اسکا راستہ روک لیا۔

عادل اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا جب وہ پھرتی سے باہر نکلا اور اسکے سر پہ پہنچا۔ پستول اسکی کنپٹی پہ تان کر بھاری آواز میں اسے اترنے کو کہا تھا۔

"تو جانتا ہے میں ہوں کون؟؟؟؟؟"

"نیچے اتر بہن۔۔۔۔۔۔۔۔"

گالی پہ اسکی رگیں تن گئی تھیں۔ عباس نے پستول کا بٹ اسکی کنپٹی پہ دے مارا تھا۔ خون کی ایک باریک سی لکیر کان تک بہہ نکلی تھی۔

"نیچے اترے گا یا گولی اتار دوں تیرے بھیجے میں؟؟؟"

تبھی عباس نے فائر کی آواز سنائی اور وہ گاڑی آتی دکھائی تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔

وہ عادل کے ہی بندے تھے۔یقیناً اپنا پیچھا ہوتا دیکھ کر اس نے انہیں فون کر دیا تھا۔

عباس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔وہ اسے دیکھ ہنسا تھا۔

"تجھے کیا لگا عادل مقصود پہ ہاتھ ڈالنا اتنا ہی آسان ہو گا؟؟؟؟؟"

پھر سے گولی چلی تھی۔پگھلا ہوا سیسہ عباس کے بائیں بازو میں سے گزر گیا تھا۔اس نے تکلیف پہ غلبہ پا کر پستول اس پہ تانی اور ٹریگر دبا دیا۔عادل نیچے جھک گیا تھا۔وہ اندھا دھند گولیاں چلاتا گیا یہاں تک کہ پستول خالی ہو گئی تھی۔

دوسری طرف سے عادل کے بندے بھی گولیاں چلاتے اسکی طرف ہی آرہے تھے۔

عباس جلدی سے اپنی گاڑی کی طرف بھاگا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باسط فون کان سے لگائے پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔

"اسکا فون مسلسل بند ہے"

عمران وہیں پاس بستر پہ بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا

"تو ٹینشن نا لے۔ہو سکتا ہے تیرا وہم ہو"

"تو پھر اسکا فون کیوں بند ہے؟؟؟؟"

"بیٹری ڈیڈ ہو گئی ہو گی یا۔۔۔تو بیٹھ یہاں سکون سے۔۔۔۔"

عمر نے اسے تسلی دلاتے لہجے میں کہا تھا۔وہ ویسے ہی چکر کاٹ رہا تھا۔

"اسکے ابو کو فون کروں؟؟؟؟"

"انکا نمبر ہے تیرے پاس؟؟؟؟؟؟"

باسط خاموشی سے فون میں سرچ کرتا رہا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|...

"لینڈ لائن کا نمبر ہے میرے پاس"

اس نے کال ملائی اور فون کان سے لگایا تھا۔

دوسری طرف وہ پریشان تھے۔

"شام کی واک کے لیئے نکلی تھی۔ابھی تک نہیں لوٹی۔میں تو کالز کر کر کے تھک گیا ہوں۔فون بند ہے"

اب کے باسط کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔اسے لگا ساری دنیا چکرا گئی ہے۔

وہ کال بند کر کے باہر کو بھاگا تھا۔

"باسط۔۔۔۔رک۔۔۔۔میں آرہا ہوں"

عمر بھی سلیپر پیروں میں پھنساتا پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا۔

اس سڑک پہ وہ پوری رفتار سے گاڑی اڑائے جارہا تھا۔اسکے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔
تکلیف سے اسکا چہرہ لال پڑ چکا تھا۔

عادل کی جیپ اور اسکے بندوں کی گاڑی مسلسل اسکے تعاقب میں تھی۔وہ وقتاً فوقتاً اس پہ گولیاں چلا رہے تھے۔اسکی گاڑی کی ونڈ سکرین میں کئی سوراخ ہو چکے تھے۔

تبھی ایک گولی اسکی گاڑی کے ٹائر میں لگی تھی۔گاڑی بے قابو ہو کر کھیت میں اتر گئی تھی۔عباس نے آؤ دیکھا نا تاؤ، چلتی گاڑی سے کھیت میں چھلانگ لگا دی تھی۔شٹالے (چارہ) کے لمبے لمبے پودوں نے اسے اپنے اندر چھپا لیا تھا۔بے قابو گاڑی سیدھی چلتی درخت سے ٹکرائی تھی اور ایک دھماکے سے اس میں آگ لگ گئی تھی۔

عادل اور اسکے آدمی اوپر سڑک کے کنارے ہی کھڑے تماشہ دیکھتے رہے تھے۔

وہ کھیت میں، مٹی اور کیچڑ میں لت پت پڑا، لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ گھاس اور خون کی بو اکھٹی ہو کر اسکے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ دور نیلے آسمان پہ چیل اڑتی پھر رہی تھی۔

وہ دونوں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے تھے۔ ہر متوقع جگہ، اسکی سہلیوں کے گھر، کیمپس، پارک، اسکے آس پڑوس میں، کالونی کی سڑکیں۔۔۔۔

اسکا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"انکل آپ ٹینشن نا لیں ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہ مل جائے گی ضرور۔ آپ فکر نا کریں"

وہ الگ پریشان تھے۔

انہوں نے نزدیک ریستوران، ہوٹل، پارک ہر جگہ ڈھونڈ لیا تھا۔

"ہسپتال چیک کرتے ہیں باسط"

ہر سرکاری اور پرائیوٹ ہسپتال، کلینک، وارڈز، ٹراما، ایمرجنسی۔۔۔۔

رات کا ایک بج رہا تھا جب وہ دونوں سڑکوں پہ یہاں وہاں بھاگے پھر رہے تھے۔ اسکے

والد پولیس میں رپورٹ کروا چکے تھے۔ابھی تک اسکا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

"اللہ۔۔۔۔۔۔کہاں ہو گی وہ۔۔۔۔کس حال میں ہو گی۔۔۔۔۔"

باسط تھک کر اس بینچ پہ بیٹھا تھا۔وہ مضبوط اعصاب کا انسان تھا لیکن اب اسکی ہمت بھی ٹوٹنے لگی تھی۔اب وہ بھی تھک کے چور تھا۔اب وہ بھی رونا چاہتا تھا۔

"پتہ نہیں زندہ بھی ہو گی یا۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس یا سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔اس سے آگے کچھ سوچنے کو تھا بھی نہیں۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انہوں نے دل پہ پتھر رکھ کر نوری کے پیروں میں وہ زنجیر ڈالی تھی جسکا دوسرا سرا برآمدے کے ستون سے بندھا ہوا تھا۔وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی تھی اور وہ بس سر جھکائے روتے چلے جا رہے تھے۔

"کونسا باپ اپنی اولادیوں ڈھور ڈنگروں کی طرح باندھتا ہے دھی رانی؟؟؟؟؟"

انہوں نے ہچکیوں کے درمیان کہا تھا۔

"لیکن کونسا باپ اپنی اولاد کو ہمیشہ کے لیئے کھوناچاہے گا؟؟؟؟؟"

تو اسکی کئی شامیں وہیں گزری تھیں۔اسی برآمدے میں۔ستون کے آس پاس۔وہ کئی بار روتی چلاتی بھاگنے کی کوشش کرتی تو زنجیر اپنا فرض نبھاتی۔۔۔کئی دوپہریں اس نے وہیں صحن میں گزاری تھیں۔ہر بندہ اسے اٹھانے اور اندر لے جانے کی کوششوں میں ناکام رہتا تھا۔کئی راتیں وہیں گزری تھیں اور بہت سارے سورج اسی قید میں طلوع ہوئے تھے۔

شاور سے گرتا ٹھنڈا پانی اسکے وجود کو بھگو رہا تھا۔وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔بازو کے زخم سے بہتا خون فرش پہ جمع پانی کو لال لال کرتا جارہا تھا۔وہ بس خاموشی اور بے بسی سے اسے دیکھتا جارہا تھا۔

"مجھے کیوں لگا یہ اتنا آسان ہوگا؟؟؟؟؟وہ انسان اتنی آسانی سے میرے قابو میں کیوں آجاتا؟؟؟؟؟؟"

اس نے تھک کر سوچا تھا۔

"میں کیوں کر رہا ہوں یہ سب؟؟؟؟"

ٹھنڈا پانی زخم پہ پڑتا تو بدن میں دور تک تکلیف دور جاتی تھی۔

"کتنے لوگ ہیں دنیا میں جو الزام سہتے رہتے ہیں۔ گالیاں سن کر چپ ہو جاتے ہیں۔ ظالم کو ظالم کہہ کر، اسکے ظلم کو اسکی مجبوری بتا کر اسے سہتے رہتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں دنیا میں جو انصاف کو طاقت کے ساتھ جوڑ کر لڑنے سے بری الزمہ ہو جاتے ہیں۔"

پانی مسلسل بہہ رہا تھا۔ وہ راگ سا مسلسل اسکے کانوں میں گونج رہا تھا۔

"مجھے بھی یہی کرنا سیکھ لینا چاہیئے۔ سمجھوتہ۔ جو ہو گیا سو گیا۔ سب کچھ تقدیر پہ ڈال کے، ضمیر کو لوری سنا کر بس جینے کی بھونڈی سی ایکٹنگ کرنی سیکھ لینی چاہیئے۔ بس یہی اس سب کا حل ہے۔"

وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

اس چلچلاتی دوپہر میں جب سورج عین سر پہ قہر برسا رہا تھا، وہ اپنے تیئں ایک بار پھر گاؤں کا ہمیشہ کے لیئے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

وہ کال قریباً تین بجے کے نزدیک آئی تھی۔

غیر شناسا نمبر تھا۔ باسط نے حیرانی سے دیکھا تھا۔

"کون؟؟؟؟؟"

دوسری طرف ساریہ کی آواز تھی۔ وہ سکتے میں آگیا تھا

"ساریہ۔۔۔۔کہاں ہو تم؟؟؟؟ساریہ؟؟؟؟تم ٹھیک ہو؟؟؟؟؟"

کال کٹ گئی تھی۔ وہ بے چین ہو گیا تھا۔ تبھی ایک اور نمبر سے کال آئی تھی۔

"ہیلو ساریہ؟؟؟؟؟"

"تیرا باپ بات کر رہا ہوں سالے"

وہ استہزاء اڑاتی آواز تھی۔

"پہچانا(گالی)؟؟؟؟؟؟؟"

باسط کی غصے سے رگیں تن کر رہ گئی تھیں۔ وہ وہی ویلکم پارٹی والا لفنگا لڑکا تھا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور حلق کے بل چلایا تھا۔

"تیری اتنی ہمت۔۔۔۔۔۔(گالی)۔۔۔کہاں ہے ساریہ۔۔۔۔۔کتے میں تیرے چیتھڑے اڑادوں گا اگر اسے کچھ ہوا۔۔۔۔بول وہ کہاں ہے حرامی۔۔۔۔۔"

پیچھے ساریہ کی چیخیں سنائی دی تھیں۔

"تیری زبان سے ایک اور گالی نکلی اور میں تیری اس آئٹم کا وہ حشر کروں گا کہ تیری سات پشتیں یاد رکھیں گی"

باسط کانپ کر رہ گیا۔

پسِ منظر میں ساریہ کی رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔باسط کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

"پلیز ایسامت کرنا۔۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔"

"پلیز؟؟؟؟؟؟؟؟واؤ۔۔۔۔مجھے پسند آیا"

دوسری طرف وہ زور سے ہنسا تھا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟؟؟؟؟تمہاری دشمنی تو مجھ سے ہے ناں،اسے بیچ میں کیوں لائے ہو؟؟؟؟"

"وہ تو ہمیشہ سے بیچ میں ہے۔وہی تو اسکی شروعات ہے ناں۔۔۔۔۔"

وہ زرار کا تھا۔

"ویسے تیری گرل فرینڈ ہے بہت کمال۔سچی۔۔۔رات یہ وقت اور اتنی خوبصورت لڑکی۔۔۔کس کا ایمان خراب نہیں ہو گا؟؟؟؟"

باسط دانت کچکچا کر رہ گیا تھا۔

"پلیز میں تمہارے پیر پڑتا ہوں۔تمہیں جو چاہیئے میں وہ کرنے کو تیار ہوں پلیز۔۔۔۔اسے چھوڑ دو۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

"پلیز اسے چھوڑ دو۔۔۔۔"

"چھوڑ دوں گا۔۔۔۔لیکن اپنا بدلہ لینے کے بعد۔۔۔۔۔"

عباس زندگی کو اپنی پرانی ڈگر پہ لے آیا تھا۔

اس نے پھر سے جاب شروع کر دی تھی۔فلیٹ زندگی کی چیزوں سے بھر گیا تھا۔اب ذہن ٹیسٹ،رپورٹس کے علاوہ بھی سوچنے لگا تھا۔دل کے قبرستان میں ماہ نور منظر حسین کی قبر کے برابر میں اس نے ان تمام الزامات کی بھی ایک قبر بنا دی تھی۔

جینا مشکل ہر گز نہیں تھا۔

بس سانس لیتے رہنا تھا۔۔۔۔۔۔

اس دن وہ کچھ خریداری کے لئیے مال ایا ہوا تھا۔آفس کے لئیے کچھ کپڑے جوتے لیکر وہ ایک شاپ سے نکل رہا تھا جب اس نے ڈاکٹر زین کو دیکھا تھا۔

وہ ٹھٹھک گیا تھا۔

وہ انہیں جانتا تھا۔وہ عادل کے اچھے دوست تھے۔انہوں نے کئی بار گاؤں میں فری کیمپنگ بھی کی تھی۔عادل کی سفارش پہ گاؤں کے مریض انکے کلینک پہ ہی جاتے تھے۔اور ان سب رپورٹس پہ بھی وہ انکے دستخط دیکھ چکا تھا۔

وہ اکیلے نہیں تھے۔ساتھ انکی بیوی تھی اور اسکی گود میں وہ بچہ۔۔۔۔۔

وہ بچہ۔۔۔۔۔

یہ دوسری بار تھا جب وہ چونک گیا تھا۔

وہ بچہ جانا پہچانا سا تھا۔اسکی شکل وصورت دیکھی بھالی سی تھی۔اس نے وہ کہیں تو دیکھا تھا۔

وہ وہیں کھڑا سوچتا رہا تھا۔

"یہ خود کشی ہے باسط"

عمر نے اسکی ساری بات سننے کے بعد شدت سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں تجھے یہ کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"تجھ سے اجازت مانگی کس نے ہے؟؟؟؟"

وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

"وہ تجھے رِنگ میں مار دے گا باسط"

"تو کیا کروں؟؟؟؟؟"

وہ زور سے چلایا تھا

"اس نے ساریہ کے ساتھ کچھ کر دیا تو کیا میں زندہ رہ پاؤں گا؟؟؟"

اسکی آنکھیں لال ہوتی چلی گئی تھیں۔ عمر اسے بے بسی سے دیکھ کر گیا تھا۔

"اس کے لیئے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ یہ ایک فائٹ تو کچھ بھی نہیں، میں اسکے لیئے ساری دنیا ہار سکتا ہوں، ہر ایک شے سے دستبردار ہو سکتا ہوں"

وہ بولتا چلا گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہمیں پولیس کو انفارم کرنا چاہیئے"

باسط نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں کوئی رِسک نہیں لوں۔۔۔ اسکی ذات پہ کوئی بھی نہیں۔۔۔ ہر گز نہیں۔۔۔"

وہ ایک بار پھر سگریٹ انگلیوں میں دبائے بالکونی میں کھڑا تھا۔ سامنے شہر اسکی گھن چکر بنی ذات سے بے نیاز اپنی ذات میں مگن تھا۔ پی پاں کرتی گاڑیوں نے ساری سڑک کا

ٹھیکہ لے رکھا تھا۔

اس نے دھواں فضا میں آزاد کیا اور پھر سے سوچنے لگا۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔۔۔۔وہ۔۔۔۔وہ کیسے۔۔۔۔۔"

وہ منظر اسکے ذہن کے پردوں پہ لہرا گیا تھا۔

گاؤں میں کسی کی شادی تھی۔سارا پنڈ وہاں موجود تھا۔شادی کے گیت اور ہنسی کی آوازیں ہر طرف گونج رہی تھیں۔وہ شامیانے سے نکلا تھا جب اس نے گاڑی رکتے دیکھی اور پچھلی سیٹ سے ماہ نور اتری تھی۔سینے سے وہ بچہ لگائے۔

وہ سرسری سی نظر۔۔۔۔وہ بچے کا رونا۔۔۔۔

وہ ٹھیک سے دیکھ نہیں سکا تھا لیکن وہ چہرہ اسے یاد رہ گیا تھا۔

عباس نے سگریٹ کا ایک اور کش بھرا تھا۔

ایک اور منظر دھوئیں کے مرغولے میں بنتا چلا گیا تھا۔

وہ سکول کے گیٹ کو تالا لگا کر پلٹ رہا تھا۔سامنے سے عادل کی جیپ گزری تھی۔ فرنٹ سیٹ پہ اسکے برابر میں وہ موجود تھی اور اسکی گود میں وہ بچہ۔۔۔۔

اس نے ایک لمبی سانس بھری۔

وہ سیاہ رات۔۔۔۔برستی بارش۔۔۔۔وہ ملازمہ۔۔۔

"آپکو نہیں پتہ جی؟؟؟عادل سائیں کا پتر تو فوت ہو گیا ہے۔۔۔۔"

سگریٹ کو ختم کر کے جب وہ پلٹا تو وہ آخری منظر اسکے ذہن میں تھا۔

مال میں چلتی جاتی ڈاکٹر زین کی بیوی اور اسکے سینے سے لگا وہ بچہ۔۔۔۔

ماہ نور کی ذہنی حالت بگڑتی چلی جارہی تھی۔

دو ہفتوں بعد وہ اسے چیک اپ کے لیئے ڈاکٹر کے پاس لائے تھے۔اس میں ایک فیصد بہتری بھی نہیں آئی تھی۔

"انکا خیال رکھیں۔ذہنی دباؤ سے بچائیں۔ایسے تو یہ بالکل ذہنی توازن کھو بیٹھیں گی"

وہ کہاں تک اسکا خیال رکھتے۔بچوں کی آوازیں سنتے ہی وہ بے قابو ہو جاتی اور "مرتضیٰ مرتضیٰ" چلانے لگتی تھی۔جب سے اسکے پیروں میں زنجیر ڈالی تھی تب سے وہ باہر جانے سے بچی ہوئی تھی لیکن ہر وقت وہیں پڑی روتی چلاتی،بیٹے کو یاد کرتی رہتی تھی۔

ریسلنگ ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔یونیورسٹی کے سٹوڈنٹس، لڑکیاں، مرد و زن، بچے۔ تماشائی اپنی اپنی چلا رہے تھے۔ سپیکر پہ کمینٹیٹر چلا چلا کر اپنی کہہ رہے تھے۔

رِنگ میں وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔

باسط اور وہ لڑکا۔۔۔۔

اس نے باسط کو تند نظروں سے دیکھتے ہوئے نظروں کا رخ موڑا تھا۔ باسط نے دیکھا وہاں تماشائیوں کے درمیان، تیسری رو میں ان لڑکوں کے بیچ سار یہ تھی۔ گُم صُم اور روئی روئی سی نظروں اور سپاٹ چہرے سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا تھا۔

"اسکی زندگی عزیز ہے تو وہ سب کرتے جانا جو میں کہہ رہا ہوں"

اسکے کانوں میں وہ فون پہ کہی باتیں گونج رہی تھیں

"وہ تم سے لڑے گا، تم پہ وار کرے گا اور تمہیں ہرا دے گا۔اس رات کا بدلہ۔ سب

کے سامنے۔یہاں تم نے جیتنے کی کوشش کی اور وہاں وہ لڑکی تمہاری نظروں کے سامنے ختم ہو جائے گی"

باسط نے دیکھا وہیں ایک طرف مجمع میں عمر تھا۔خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتا ہوا۔

"وہ تجھے کھیل کے نام پہ مار دے گا باسط"

وہ کل سے بس یہی بات بار بار کہہ رہا تھا۔اسے پاس کونسا دوسری چوائس تھی۔

رِنگ روشنیوں میں نہا گیا تھا۔ریفری دونوں کے درمیان میں کھڑا تھا۔

"وَن"

باسط نے انکھیں موند کر لمبی سانس بھری تھی

"ٹو۔۔۔۔۔تھری۔۔۔۔اینڈ گو"

وہ یک طرفہ لڑائی شروع ہو گئی تھی۔وہ لڑکا اس پہ ٹوٹ پڑا تھا۔تماشائی جوش میں کھڑے ہو کر چیخ رہے تھے،حلق پھاڑ رہے تھے۔

وہ لڑکا اس پہ حاوی ہوتا چلا گیا تھا۔اسکا مکا باسط کے پیٹ میں پڑا تھا۔اسکے پیٹ میں آنتیں گُچھا مُچھا ہو گئی تھیں۔وہ اسے نفرت بھری لال آنکھوں سے گھورتا مارتا جارہا

تھا۔منہ پہ مکے،ناک پہ،ٹانگیں۔وہ چپ چاپ پٹتا رہا تھا۔مجمع اسکا نام چلا رہا تھا۔وہ سب اسکے ہی تو تھے۔اسکا وہاں کوئی نہیں تھا۔بس وہ جو۔۔۔۔۔

وہ ادھ موا ہو چکا تھا۔وہ اسے مار مار کے نہیں تھک رہا تھا۔بدلے کی آگ بجھ ہی نہیں رہی تھی۔وہ واقعی اسے جان سے مار دینا چاہتا تھا۔اب کے جو اس نے باسط کے پیٹ میں ٹانگ ماری تو وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔اس نے دیکھا۔تیسری رو میں بیٹھی ساریہ ساکت بیٹھی بے آواز رو رہی تھی۔باسط کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔وہ لڑکھڑا کر گرا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا گونگی ہو جائے اور بس تم بولتی رہو۔تم بولتی رہو اور میں سنتا رہوں"

ان فقروں کی بازگشت تھی۔وہ ہنسی۔وہ کھلکھلاتی ہنسی۔وہ کھنکھناتی ہنسی۔

وہ لڑکا اسکے سینے پہ چڑھا اسکے منہ پہ مکے مارتا چلا گیا تھا۔وہ ہولے ہولے اپنے حواس کھوتا جا رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے میں اب ہر روز اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ دو آنکھیں دیں کہ میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں،یہ دو کان تمہیں سن سکتا ہوں اور یہ دل جو

تم سے محبت کرتا ہے۔۔۔۔۔۔"

آخری منظر جو اس نے دیکھا وہ یہ تھا کہ اس لڑکے کو اس کے دوستوں نے کندھوں پہ اٹھا رکھا تھا اور وہ خوشی سے سرشار نعرے لگا رہے تھے۔آخری آواز جو اس نے سنی وہ عمر کے دوڑتے قدموں کی تھی۔اسکے بعد اسکی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اماں ٹرے میں اسکے لئیے کھانے کا سامان رکھ کر اسے کھلانے آئی تھیں۔وہیں اسکے پاس فرش پہ بیٹھ کر انہوں نے نوالہ توڑا اور اسکے منہ میں ڈالا تھا۔

"میرا پتر زندہ ہے۔۔۔۔۔وہ مرا نہیں ہے۔۔۔۔ہے ناں اماں؟؟؟؟؟۔۔۔۔۔میرا مرتضیٰ زندہ ہے ناں۔۔۔۔۔۔؟؟؟"

وہ آس بھری نظروں سے انہیں دیکھتی پوچھ رہی تھی۔ابھی کل وہ دو عورتیں کسی کام سے آئی تھیں۔اسے دیکھا تو ترحم سے باتیں کرنے لگیں۔

"ہائے بیچاری۔۔۔کیا نصیب ہے اسکا۔۔۔۔پہلے شوہر نے چھوڑ دیا پھر پتر بھی مر گیا۔۔۔۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا اور انہیں دیکھا

"میرا پتر زندہ ہے۔۔۔میرا مرتضیٰ زندہ ہے۔۔۔"

وہ بپھر گئی اور ان پہ جھپٹ پڑی تھی۔ایک کا بازو قابو کر لیا اور ناخنوں سے کھال کھسوٹ ڈالی تھی۔

"ہائے ہائے۔۔۔یہ تو ڈنگر بن گئی ہے۔۔۔اسے پاگل خانے میں جمع کرواؤ۔۔۔یہ تو مار دے گی سب کو۔۔۔ہائے اللہ میری باں (بازو)۔۔۔"

اب وہ اماں سے پوچھ رہی تھی۔وہ سر جھکا کر اگلا نوالہ توڑنے لگیں۔

"بتانا اماں۔۔۔وہ جھوٹ بولتی ہیں ناں۔۔۔میرا پتر زندہ ہے ناں؟؟؟؟؟"

انہوں نے ہولے سے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

"ہاں دھی رانی تیرا پتر زندہ ہے۔۔۔وہ تو بھلا چنگا ہے۔۔۔۔ہاں وہ ٹھیک ہے۔۔۔۔"

اسکے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"مجھے پتہ تھا۔۔۔میرا پتر۔۔۔وہ ٹھیک ہے۔۔۔اسے کچھ نہیں ہوگا۔۔۔۔

میں اسے کچھ ہونے نہیں دوں گی۔۔۔وہ میرا۔۔۔۔۔"

وہ بہت دیر تک بڑبڑاتی رہی تھی۔

باسط نے بھاری پپوٹوں کو بمشکل اٹھایا تھا۔وہ منظر غیر واضح سا تھا۔وہ آواز جانی پہچانی تھی۔وہ چہرہ بھی اسے یاد تھا جو اس پہ جھکا ہوا تھا۔وہ سارہ تھی۔

"تت۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔ٹھ۔۔۔۔۔تت۔۔۔۔ٹھیک۔۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگلی بار اسے ہوش آیا تو وہ ہسپتال کے اس کمرے میں بیڈ پر تھا۔اسکے بازو پہ ڈرپ لگی ہوئی تھی اور وہ بہت سی نالیوں میں اِلجھا ہوا تھا۔

"باسط۔۔۔۔۔تو ٹھیک ہے؟؟؟؟؟درد تو نہیں ہو رہا؟؟؟؟؟ڈاکٹر کو بلاؤں؟؟؟؟"

عمر اس پہ جھکا پوچھ رہا تھا۔

وہ نیم غنودگی میں تھا۔

"سس۔۔۔۔۔سا۔۔۔۔ساری۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔کک۔۔۔۔۔کہاں"

"وہ ٹھیک ہے۔ابھی باہر گئی ہے۔تو ٹینشن نا لے۔سب ٹھیک ہے"

رات گۓ وہ ہوش میں آیا تھا۔اب کے اسکی حالت بہتر تھی۔عمر سے باتیں بھی کی تھیں۔ساریہ اسے دیکھتی روتی رہی تھی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اسکا ہاتھ بھی تھاما تھا۔

"مجھے معاف کر دینا باسط میری وجہ سے۔۔۔۔"

"شش۔۔۔۔۔۔"

اس نے دھیمے سے کہا تھا۔

"مجھے معاف کرنا۔۔۔۔م۔۔۔۔۔۔میری وجہ سے تمہیں۔۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔۔مجھے معاف کرنا سا۔۔۔۔ساریہ۔۔۔۔"

عباس نے بیگ کو داہنے کندھے پہ منتقل کیا اور دروازے پہ دستک دی تھی۔تیسری دستک پہ ملازمہ نے دروازہ کھولا تھا۔

"السلام علیکم جی۔۔۔۔میں انشورنس کمپنی کی طرف سے مارکیٹنگ کے لئیے آیا ہوں،کیا ڈاکٹر زین گھر پہ ہیں؟؟؟؟؟؟"

ملازمہ نے نفی میں سر ہلادیا

"نہیں جی وہ تو اس وقت کلینک میں ہوتے ہیں"

"اچھا پھر انکی مسز تو ہوں گی ناں۔۔۔آپ انہیں بتائیے۔۔۔میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔۔۔بس پانچ منٹ۔۔۔۔۔۔"

ملازمہ چلی گئی اور تھوڑی دیر میں لوٹی تھی۔

"آپ آجائیں"

وہ اسکی قیادت میں چلتا ڈرائنگ روم تک آیا تھا۔تھوڑی دیر میں ہی حمنہ گود میں وہ بچہ اٹھائے اندر آئی تھی۔بظاہر اسے دیکھتے،اسی سے باتیں کرتے عباس کا سارا دھیان بچے کی طرف تھا۔وہ کن انکھیوں سے اسے ہی دیکھتا جارہا تھا۔دس منٹ بعد جب وہ اسے الوداعی جملے کہہ کر نکلنے کو تھا تو اس نے پوچھا تھا۔

"میم یہ آپکا بیٹا ہے؟؟؟؟"

حمنہ مسکرائی

"جی"

"ماشاءاللہ بڑا پیارا ہے۔اسکا نام کیا ہے؟؟؟"

"اسامہ"

عباس اب اسے بچے کو محبت سے دیکھ رہا تھا۔

"میم اِف یوڈونٹ مائینڈ میں اس کیوٹ سے بچے کی تصویر لے لوں۔دراصل میری وائف کو بچے بہت پسند ہیں۔ہماری تو اولاد نہیں ہے لیکن وہ تصاویر دیکھ کر خوش ہو جائے گی"

اسے پتہ تھا کہ حمنہ کی دکھتی رگ کونسی ہے۔اتنی ریسرچ تو وہ کر چکا تھا اور یہ بات اسے پتہ چل چکی تھی کہ وہ بچہ ایڈاپٹڈ تھا۔

"ضرور"

حمنہ نے خوشدلی سے کہا تھا۔عباس نے جلدی سے اپنے فون پہ اسکی تصاویر بنائی تھیں۔

وہ دن بعد بعد ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔زخم بھر رہے تھے۔چوٹیں مندمل ہو رہی تھیں۔

وہ ویسے بھی مضبوط اعصاب اور تندرست جسم کا انسان تھا۔ وہ تو دل کا معاملہ تھا جو چپ چاپ پٹتا رہا تھا ورنہ وہ انہیں بتاتا کہ لڑائی ہوتی کیا ہے۔

اب بھی وہ چپ چاپ بستر پہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا جب عمر اسکے پاس آ بیٹھا۔

"کیا سوچ رہا ہے یار؟؟؟"

"میں بدلہ لوں گا اس سے۔۔۔اس سب کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑے گا۔۔۔اس نے مجھ سے پنگا لیکر اچھا نہیں کیا۔۔۔"

عمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

"رئیلی؟؟؟واقعی تو یہ سب کہہ رہا ہے؟؟؟اتنا سب ہونے کے بعد بھی تو یہ کہہ رہا ہے؟؟؟؟"

وہ ذرا رکا تھا۔

"ابھی کوئی کسر رہ گئی ہے مار پیٹ میں؟؟؟ابھی بھی کوئی بھگتان بھگتنا باقی ہے؟؟؟"

"تو اور کیا کروں؟؟؟؟"

باسط نے درشتی سے کہا تھا۔

"خاموش ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھا رہوں؟؟؟؟بزدلوں کی طرح مار کھانے کے بعد چپ ہو جاؤں؟؟؟؟؟؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔عمر نے اسے رسان سے کہا تھا

"بعض دفعہ بزدلی دکھانا بہادری ہوتا ہے باسط۔کمزور پڑ جانا ہر دفعہ احمقوں کی نشانی نہیں ہوتی ہے۔ہر چیز کا حل بدلہ نہیں ہوتا۔"

باسط چپ رہ گیا تھا

"تو نے اسے مارا،اس نے تجھے۔۔۔اب تو اسے مارے گا پھر وہ تجھے۔۔۔۔بس یہی کرتا رہے گا ہمیشہ تک؟؟؟؟"

وہ زرا رکا

"ٹھیک ہے یہ سب ہی کرنا ہے تو ابھی یہاں بیٹھ کر حساب کر لے کہ اس لڑائی میں تو کیا کیا کھو سکتا ہے اور تیرے پاس داؤ پہ لگانے کو کیا کیا ہے؟؟؟؟؟"

"انہوں نے مجھے کمزور جان کر سارا یہ پہ ہاتھ ڈالا عمر۔۔۔۔۔"

"انہیں دوبارہ یہ کرنے پہ مت اکسا۔۔۔کمینے کی عزت اسکی کمینگی سے بچنے کے لیئے

کی جاتی ہے۔۔۔باسط بدلے کی آگ بس راکھ پیدا کرتی ہے،انتقام کی زمین پہ گلاب نہیں اگا کرتے۔۔۔۔۔"

باسط خاموش رہ گیا تھا

"بس یہ سب ختم۔۔۔یہ مارپیٹ جھگڑا بس۔۔۔تو کچھ دنوں کے لئیے اس سب سے دور چلا جا۔۔۔"

وہ زرا رکا

"بلکہ دور کیوں، تو گاؤں چلا جا۔۔۔ویسے بھی سپرنگ بریک ہونیوالی ہے۔۔۔دو ہفتوں کی بات ہے، تیرا ذہن بھی فریش ہو جائے گا۔۔۔"

عمر نے جوش سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔تو بھی ساتھ چلے گا میرے۔۔۔"

"میں کس خوشی میں؟؟؟؟؟"

عمر نے اسے دیکھا تھا۔باسط نے کندھے اچکائے تھے۔

"جس مرضی خوشی میں سمجھ لے۔۔۔۔"

وہ مطمئن تھے۔

حمنہ کو ایک اچھی مصروفیت میسر آگئی تھی۔سارا دن وہ اسامہ (بچہ) کے ساتھ لگی تھی۔اسکے کپڑے جوتے کھانا پلانا سنبھالنا،کسی اور چیز کے سوچنے کا اب خیال بھی نہیں آتا تھا۔

"اب تو خوش ہو ناں؟؟؟؟"

اس دن بھی جب وہ اسے بیڈ پہ لٹائے،اسکے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی تو ڈاکٹر زین نے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔بہت خوش۔۔۔۔"

بچہ قلقاریاں مار رہا تھا۔

"اب تو ہمارا وقت بھی ان محترم کو ہی ملنے لگا ہے"

وہ مصنوعی خفگی سے کہتے پاس آبیٹھے تھے۔

"دیکھو تو۔۔۔پاپا منہ سے جل رہے ہیں۔۔۔۔"

وہ کھلکھلائی تھی۔

ٹرین تیزی سے پٹڑی پہ دوڑتی آگے کو جا رہی تھی اور وہ منظر پیچھے کو بھاگے جا رہے تھے۔ باسط اور عمر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ عمر بہت پر جوش سا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی گاؤں میں جا رہا تھا تو اسکے لیئے اسکا جوش و خروش دیدنی تھا۔ باسط اسے چھوٹی چھوٹی باتیں بتا رہا تھا۔

بلو جینز اور ہلکی براؤن شرٹ میں وہ پہلے کی نسبت بہت بہتر تھا۔ چہرے کے زخموں کے نشان آہستہ آہستہ مندمل ہوتے جا رہے تھے۔ اسکا چہرہ کمزور اور کملایا ہوا سا تو تھا لیکن بیمار نہیں رہا تھا۔

آنے سے پہلے وہ ساریہ سے مل کر آیا تھا۔

"ہاں شائد بھاگ رہا ہوں میں۔ ہاں شائد بزدلی ہے۔ ہاں شائد عمر کہتا ہے۔ جا رہا ہوں لیکن واپس آنے کے لیئے۔۔۔۔ تم سے دور جا رہا ہوں لیکن تمہارے لیئے جا رہا ہوں ساریہ۔۔۔۔"

اس نے ٹرین کے دروازے میں کھڑے ہو کر اسے ہاتھ ہلایا تھا۔

"میں تمہارے لیئے جلد لوٹ کر آؤں گا سار یہ"

وہ خاموش رہی تھی۔ جانتی تھی اسکا ابھی کے لیئے چلے جانا ہی ٹھیک ہے۔

"عادل سائیں نے بڑا ظلم کیا ہے جی ماہ نور بی بی کے ساتھ"

حلیمہ نے تاسف سے کہا تھا۔ عباس اسکے سامنے ہی چار پائی پہ بیٹھا اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ ایسی نہیں تھیں جی۔ اتنے اچھی عادتوں کی، بڑے سوہنے دل کی تھیں جی وہ۔ اتنا بڑا الزام۔۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔۔ میں تو جی انکی شرافت کی قسم دے سکتی ہوں۔۔۔ بڑا ظلم ہوا۔۔۔۔"

"اس بچے کا کیا ہوا؟؟؟؟؟"

عادل نے پوچھا تھا

"کمزور تھا جی۔ وقت سے پہلے ہو گیا تھا ناں۔ ماہ نور بی بی تو اسے ہتھ کا چھالا بنا کر رکھتی

تھیں۔اب اتنی سی جان کو ماں سے جدا کروگے تو وہ کیسے رہ سکتا تھا"

وہ ترحم بھرے لہجے میں بولتی جارہی تھی

"اس دن صبح صبح میں حویلی پہ ہی تھی جب اسکی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔عادل سائیں اسے شہر لے گ ۓ ڈاکٹر کے پاس۔دن دس گیارہ بجے آۓ تو اس بچے کی لاش کفن میں لپٹی تھی۔وہیں سے قبرستان لے گ ۓ اور دفنا دیا۔ماہ نور با.جی کے ابو بھی آۓ تھے اس دن رات کو۔۔۔۔بڑا رو رہے تھے جی"

عباس سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"میں تو جی بہت دکھی رہتی ہوں ان کے لیئے۔انکا بھی پتہ چلا کہ وہ بیمار ہوگئی ہیں۔ہاۓ۔۔۔بچے کے بغیر کیسے کوئی ماں بھلی چنگی رہ سکتی ہے۔۔۔"

عباس نے سر اٹھایا

"خالہ تم میرا ایک کام کردو گی۔۔۔؟؟؟؟"

"کیا کام پتر ؟؟؟؟"

حویلی کا بڑا دروازہ کھلا ہی تھا۔

باسط نے بیگ کندھے پہ ڈالا اور اندر داخل ہوا تھا۔ عمر اسکے پیچھے ہی تھا۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی وہ بڑا کچا صحن تھا جس میں کیاریاں موسمی سبزیوں اور پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔ پھلدار اور سایہ دار درخت تھے۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اندر بڑے دالان میں داخل ہوئے تھے۔ وہیں برآمدے کے ستون کے پاس اسے وہ دکھائی دی تھی۔

باسط حیرانی سے دیکھتا آگے بڑھا تھا۔ وہ دونوں گھٹنوں میں سر دیئے، ستون سے ہی ٹیک لگائے، سر جھکائے بیٹھی تھی۔ باسط ہولے ہولے چلتا اسکے پاس آ بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

"نور۔۔۔۔۔۔۔۔"

اسکے حلق سے آواز تک نہیں نکل سکی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسکی ٹانگ میں بندھی وہ زنجیر دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ ماہ نور نے سر اٹھایا تھا۔

وہ اسے پہچان تک نہیں سکا تھا۔

بکھرے الجھے بال۔۔۔۔حلقہ زدہ آنکھیں۔۔۔۔پپڑی جمے ہونٹ۔۔۔۔۔سوکھی کھال۔۔۔۔

"نور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"وہ کوئی جانور تو نہیں ہے تایا جی! اسے کیوں ایسے ڈنگروں کی طرح باندھ کے رکھا ہے آپ نے؟؟؟"

وہ پھٹ پڑا تھا۔

"اور کیا کرتے پتر؟؟؟وہ بے قابو ہو کر گھر سے بچوں کے پیچھے بھاگ جاتی تھی۔کوئی اسکے قابو میں آجاتا تو اسکو زخمی کر دیتی تھی۔ایسے میں اسے یونہی کیسے چھوڑ دیتے؟؟؟ زمانے کا تو تجھے پتہ ہے۔۔۔وہ جوان لڑکی یوں کھلے سر پیر کے گلی میں پھرتی ہوئی۔۔۔۔۔۔جانور تھوڑے ہیں یہاں؟؟؟؟"

"پھر بھی تایا جی۔۔۔۔۔"

اسکا دل کٹ کر رہ گیا تھا اسے یوں دیکھ کر۔وہ تو کیسی زندگی سے بھرپور لڑکی ہوا کرتی

تھی۔اسکی وہ کانفیڈنٹ،پڑھی لکھی خوبصورت کزن جو ہمیشہ سے اسکی آئیڈیل رہی

تھی۔لڑکی ہوتے ہوئے بھی،اس گاؤں سے ہوتے ہوئے بھی وہ کالج تک گئی تھی۔اور

اب وہ۔۔۔۔۔۔

"مجھے کچھ کیوں نہیں بتایا؟؟؟؟"

اگلا گلہ اس نے ماں سے کیا تھا۔

"اس پہ اور آپ سب پہ ایسی قیامت گزر گئی اور مجھے بتایا تک نہیں۔"

"ہم تجھے پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے پتر"

انہوں نے رسان سے کہا تھا

"پریشان ہوتا،لاعلم تو نا رہتا۔۔۔۔"

وہ بے بسی سے بولا تھا

"اور اسکے لئیے پریشان ہونا فرض تھا میرا اماں۔وہ کتنا پریشان ہوئی میرے لئیے۔اس

نے کتنا نہیں کیا میرا۔بیماری میں،اپنے پیپروں کے دوران پہلے مجھے پڑھایا۔مجھے فوقیت

دی اپنے سب بھائیوں پہ۔اس کے لئیے میں پریشان ہو بھی جاتا تو کیا۔۔۔۔"

وہ چپ رہ گئیں

"آپ سب نے بڑی زیادتی کی میرے ساتھ اماں"

وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"اچھا غصہ نا کر۔۔۔اتنی دور سے آیا ہے اور آتے ہی کلپنے لگا۔۔۔ چل پتر کھانا کھا لے۔۔۔وہ تیرا دوست بھوکا ہی ہے۔۔۔۔۔"

باسط نے اسکے پیروں سے وہ زنجیر ہولے سے کھول دی تھی۔اسے علیحدہ کیا تو دیکھا۔ اسکی ٹانگ پہ دور تک وہ زنجیر اپنا نشان چھوڑ گئی تھی۔ کھال لال سے سیاہ پڑنے لگی تھی۔

باسط کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"نور۔۔۔۔اٹھیں۔۔۔۔چلیں۔۔۔۔"

اس نے ہولے سے سہارا دیکر اسے اٹھایا اور صحن میں ایک طرف بنے واش بیسن تک لایا تھا۔ہولے ہولے اسکے ہاتھ اور منہ دھلایا تھا۔

"کھانا کھاؤ گی ناں۔۔۔چلو۔۔۔ہم ساتھ کھائیں گے۔۔۔۔"

وہ اسکے ساتھ ہی کمرے میں آئی تھی۔اماں نے کھانا لگا دیا تھا۔وہ چٹائی پہ بچھے دستر خوان پہ اسکے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔

وہ بچہ پڑوس سے آیا تھا۔

"امی نے کڑھی بجھوائی ہے خالہ"

اماں ڈونگا لیکر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ماہ نور نے اسے دیکھا تو جلدی سے دوڑی ہوئی باہر آئی تھی۔

"مرتضیٰ؟؟؟؟؟تت۔۔۔۔تم میرے بیٹے ہو ناں۔۔۔۔میرا مرتضیٰ۔۔۔۔۔"

وہ بچہ ڈر گیا تھا۔

ماہ نور نے اسکی کلائی جکڑ رکھی تھی۔

"بس میرا پتر۔۔۔۔نہیں روتے نہیں ہیں۔۔۔میرا بیٹا۔۔۔۔بس۔۔۔"

وہ اور گلا پھاڑ پھاڑ کے رونے لگا تھا۔اماں جلدی سے دوڑی دوڑی آئیں تھیں۔

"نوری۔۔۔چھوڑ دے۔۔۔یہ تیرا مرتضیٰ نہیں ہے۔۔۔نوری چھوڑ۔۔۔۔"

وہ ہر گز چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔وہ چھڑوانے کی کوشش میں بے حال تھیں۔بچہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا اور ماہ نور اپنا راگ الاپ رہی تھی۔شور کی آواز پہ باسط باہر آیا تھا۔وہاں فساد مچا ہوا تھا۔

"ماہ نور۔۔۔سنو۔۔۔۔یہ وہ نہیں ہے۔۔۔مجھے اسکا پتہ ہے۔۔۔۔میری بات تو سنو۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ماہ نور کو اس نے پچکارا تھا۔اسکی گرفت میں بچے کا بازو لال پڑتا چلا گیا تھا

"میں تمہیں مرتضیٰ کے پاس لے جاوں گا۔۔۔اسے چھوڑ دو۔۔۔اسے جانے دو۔۔۔۔"

اس نے بمشکل بچے کا ہاتھ چھڑوایا تھا۔بپھری ہوئی ماہ نور نے باسط کی ہی کلائی کو چبا ڈالا تھا۔تکلیف کی شدت سے اسکا چہرہ لال پڑتا چلا گیا تھا۔وہ ضبط کیئے اسے پچکارتا رہا تھا۔

"میرا بیٹا۔۔۔۔وہ چلا گیا۔۔۔۔مجھے اسکے پاس جانا ہے۔۔۔۔وہ مرا نہیں ہے۔۔۔۔

وہ وہاں۔۔۔۔میرا مرتضیٰ۔۔۔۔۔"

"بس ہم چلیں گے اسکے پاس۔۔۔۔بس چپ کر جاؤ۔۔۔۔سب ٹھیک ہے۔۔۔۔ بس"

وہ ہولے ہولے، دھیمے لہجے میں کہتا جا رہا تھا۔وہ اسکے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

"بس۔۔۔۔رونا نہیں۔۔۔بس۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عباس نے حلیمہ سے وہ پیکٹ لیا تھا۔

"ویسے تو مرتضیٰ کی ساری تصویریں عادل سائیں نے پھاڑ دی تھیں یا جلا دی تھیں۔یہ دو تصویریں مجھے بڑی مشکل سے ملی ہیں"

"بہت شکریہ خالہ۔"

"شکریہ کی بات نہیں ہے۔بس اللہ سکی اور تیری مشکلیں آسان کرے اور یہ جو الزام ہیں ناں، یہ سب کے سامنے جھوٹے ثابت ہو جائیں"

وہ چلی گئی تو عباس اپنے کمرے میں آیا تھا۔اس نے لفافہ کھولا اور وہ تصاویر نکالی تھیں۔

انہیں لئیے لئیے وہ ٹیبل تک آیا تھا جہاں اسامہ کی تصاویر پڑی تھیں۔اس نے دو تصاویر کو سامنے برابر میں رکھا تھا۔

مرتضیٰ والی تصاویر عمر میں چھوٹے بچے کی تھیں۔رنگت میں بھی زرا سا فرق تھا لیکن دونوں میں حد درجہ شباہت بھی تھی۔دونوں تصاویر میں بچے کے بائیں گال پہ ناک کے پاس نشان تھا اور ماتھے پہ آنکھ سے زرا اوپر ایک تل تھا۔

وہ بہت دیر تک بے یقین کھڑا ان تصاویر کو دیکھتا رہا تھا۔

"تو عادل مقصود۔۔۔یہ تمہاری ایک سازش ہے۔۔۔مجھے نہیں پتہ اس میں اور کون کون شامل تھا لیکن۔۔۔مجھے قسم ہے اپنے خدا کی، میں تمہیں جھوٹا ثابت کر کے رہوں گا۔۔۔۔"

وہ مضبوط لہجے میں بولتا چلا گیا تھا۔

دور تک پھیلے کھیتوں میں گندم کے ننھے ننھے سے پودے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ان میں کہیں کہیں اٹکے شبنم کے قطرے ننھے ننھے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔دور

مشرق میں زرد زرد روشنیاں ایک نئے دن کی نوید سنا رہی تھیں۔دور تک پھیلے کھیتوں پہ تنے نیلے آسمان میں ان گنت پرندے غول کی صورت میں اُڑتے پھر رہے تھے۔

وہ پگڈنڈی چونک اٹھی تھی۔

اس پہ دوڑتے قدموں کی آواز نے سناٹوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ماہ نور کو وہ بڑی سی تیتری نظر آگئی تھی۔اب وہ بچوں کی طرح تالیاں بجاتی،اسکے پیچھے پگڈنڈی پہ دوڑ رہی تھی۔ اسکے پیچھے پیچھے مسکراتا ہوا باسط تھا۔پرندہ تو اسکے ہاتھ نہیں آیا تھا پر کھیت کے اختتام پہ ان درختوں کا جھنڈ ضرور دریافت ہوا تھا۔آم کے اونچے اونچے پیڑ جو بُور سے لدے کھڑے تھے۔انکی ڈالیوں میں چھپی کوئل نے اپنا راگ چھیڑا تھا۔

"کُوووووو"

خاموشیوں کی ایسی کی تیسی۔اس صدا کے ساتھ زندگی انگڑائیاں لیتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"کُوووووووووو"

وہ تجسس سے سر اٹھائے،اس پرندے کو کھوجتی،کوئل کے ساتھ مل کر چہکار رہی تھی۔

باسط نے امرود کی ٹہنی سے وہ پکا ہوا پھل علیحدہ کیا تھا۔اسے قمیص سے رگڑ کر صاف کیا اور دونوں ہاتھوں میں دبا کر اس رسیلے پھل کے دو ٹکڑے کیئے تھے۔

اب وہ مزے سے کھاتی آگے بنے پانی کے شفاف کھالے میں پیر لٹکائے،پانی کے چھینٹے اڑا رہی تھی۔کھالے کے کنارے قطار میں کھڑے،گلابی پھولوں سے لدے آڑو کے پیڑ اسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔کھالے کے اس پار سبزیوں کا کھیت تھا۔ فضا میں ہری مرچ کی باس رچی ہوئی تھی۔ٹماٹر کے پودے اجڑ چکے تھے۔پیاز اور لہسن کے بوٹوں پہ بیج پک چکا تھا۔پودینہ سر اٹھا رہا تھا اور دھنیے پہ بہاریں رقصاں تھیں۔

"چھم چھم چھم چھم۔۔۔۔۔"

وہ قلقاریاں مارتی پانی کے چھینٹے اڑا رہی تھی۔

"چلو وہاں چلتے ہیں"

باسط نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔وہ جلدی سے اٹھی تھی۔اب وہ دونوں آگے پیچھے،اس تنگ ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی پہ سے ہوتے ہوئے اس ریت کے ٹیلے تک پہنچے تھے۔وہ بیریوں کا باغ تھا۔سرخ بیروں سے لدے درخت،لمبے بیروں کے پیڑوں کے جھنڈ۔

وہ توڑ توڑ کر دامن میں بھرتی جارہی تھی۔

ٹیلے کے اس پار، آلو کا کھیت تھا۔ دور تک بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسکے آخری کنارے پہ شہتوت کا بڑا اور گھنا درخت آباد تھا۔ لال اور سیاہ تُوتوں سے لدا ہوا، پرندوں کی آمجگاہ۔

وہ بہت دیر کھڑا، اسے ہی دیکھتا رہا تھا۔ وہ جو ہر شے بھلائے، ہر فکر سے آزاد، پانی کے کھالے کے کناروں پہ اُگے نیلے پیلے پھول چُن رہی تھی۔ اسکا دامن ان سب رنگوں سے بھر چکا تھا جو اسکی اصل زندگی میں نہیں تھے۔

"مجھے تجھ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"

انہیں گاؤں آئے اٹھ دن ہو چکے تھے۔ چار دن بعد انہیں واپس لوٹ جانا تھا۔ شام کو کھانے کے بعد وہ اور عمر چہل قدمی کے لیئے نکلنے والے تھے جب اماں نے اس سے کہا تھا۔ وہ حیرانی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ انکا لہجہ کسی اور ہی انداز کا تھا۔

"جی"

اب وہ انکے سامنے تھا۔انہوں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تجھے پتہ ہے باسط تیرے تائے نے ہمیشہ تجھے اپنے سگے پُتروں سے بڑھ کر چاہا ہے۔ ان پہ ہمیشہ تجھے فوقیت دی۔ عید شبرات پہ پہلے تیرے کپڑے جوتے پورے کیئے، ہر پھل میوہ پہلے تجھے پہنچایا ہے، وہ اپنے بچوں سے زیادہ تیرا سگا باپ رہا ہے باسط"

"میں جانتا ہوں اماں"

اسے انکی کسی بات پہ شک نہیں تھا۔انکی ہر بات درست تھی۔

"تو اور میں انکے احسان نہیں اتار سکتے۔ایک بیوہ عورت اور ایک یتیم بچہ۔انہوں نے وہ فرض بھی ادا کیئے ہیں پتر جو انکے نہیں تھے۔انہوں نے وہ وہ کیا ہے، جو کرنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔اپنی اولاد کا حق دوسروں کو دینا"

وہ زرار کی تھیں

"وہ اب تکلیف میں ہیں۔انہیں مدد چاہیئے باسط پتر اور وہ ہم کر سکتے ہیں۔۔۔وہ تو کر سکتا ہے۔۔۔۔"

وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔انہوں نے رسان سے اسکے ہاتھ پکڑے تھے۔

"تونوری سے شادی کرلے"

وہ دونوں اس رات واک کے لیئے نکلے تو باسط چپ چپ تھا۔ عمر اسکی خاموشی بھانپ گیا تھا۔

"کیا ہوا؟؟؟ سارہ یاد آرہی ہے؟؟؟؟"

اس نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے"

"ایسی ہی بات ہے"

وہ فوراً بولا تھا۔

"تیری اماں اتنی سویٹ ہیں۔ تو کہے تو میں تیرے رشتے کی بات چلاؤں۔ ویسے تو میں پروفیشنل وچولا نہیں ہوں لیکن میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ بس کچھ فیس لگے گی"

وہ چپ ہی رہا تھا۔ عمر نے حیرانی سے اسے دیکھا اور سنجیدہ ہوا

"باسط؟؟؟یار کیا ہوا ہے؟؟؟؟"

وہ ابھی بھی چپ رہا تھا

"تو پریشان ہے۔ہے ناں؟؟؟؟؟سب ٹھیک تو ہے؟؟؟؟"

اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

گورکن نے عباس کو بغور دیکھا تھا

"یہ پنڈ بہت چھوٹا سا ہے کاکے۔یہاں کوئی بات چھپی نہیں رہتی ہے۔میں نے سنا ہے تیرے اور اس وڈیرے عادل کے بارے میں اور تیرے اس زنانی کے ساتھ چکر کے بارے میں بھی"

وہ ذرا رکا

"اسی بچے کی وجہ سے طلاق دی تھی ناں عادل نے اپنی گھر والی کو؟؟؟؟"

عباس نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا

"تجھے اس سب سے کیا لینا دینا چاچا۔ تجھ سے بس میں نے یہ پوچھا ہے کہ اس بچے کی قبر بتادے مجھے"

"کیوں؟؟؟؟؟"

"وہ الزام اگر سچا ہے تو میں اسکا باپ ہوا ناں"

وہ ہنسا

"تو اسکا پیو (باپ) ہو ہی نہیں سکتا کہ تجھے اسکی قبر بھی پتہ نہیں ہے"

عباس چپ رہ گیا تھا۔

"کیوں صحیح کہہ رہا ہوں ناں میں؟؟؟؟؟"

عباس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر اس بند مٹھی سے ہی اس گورکن کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"چاچا آم کھاؤ۔۔۔ پیڑ گننے بیٹھو گے تو بھوکے رہ جاؤ گے۔۔۔۔۔"

اسکے چہرے پہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ گورکن کے پیچھے چلتا، ان قبروں کے درمیان سے گزرتا مطلوبہ قبر تک جا

رہا تھا۔

وہ بہت دیر سے بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ابھی صبح ہی صبح اسے دورہ پڑا تھا۔وہ چیخ چیخ کر بے حال ہو گئی تھی اور اپنی ماں کو بھی لہولہان کر دیا تھا۔بھائی نے بیچ بچاؤ کیا تو اسکی انگلیاں بھی چبا ڈالی تھیں۔ابھی کل وہ خود تایا جی کے ساتھ اسکا معائنہ کروا کے آیا تھا۔

ڈاکٹرز اسکی حالت سے مطمئن نہیں تھے۔

"وہ بہتر ہونا ہی نہیں چاہتی جینٹل مین۔وہ ہاتھ پاؤں چھوڑ چکی ہے۔اگر ایسا ہی رہا تو وہ ہمیشہ کے لئیے ذہنی مفلوج ہو کر رہ جائے گی"

وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم کیوں زندگی سے اتنی خفا ہو گئی ہو ماہ نور؟؟؟؟کیوں؟؟؟؟ایسا بھی کیا؟؟؟؟؟ ایک دنیا ہے جو الزام سہتی ہے،ایک دنیا ہے جو بچوں کی جدائی سہتی ہے،تم کوئی انوکھی تو نہیں ہو،پھر کیوں؟؟؟؟؟"

اس نے بہت دیر تک سوچا تھا۔

"وہ یہاں رہے گی تو بدتر ہوتی جائے گی"

اسکے کانوں میں اماں کی باتوں کی بازگشت تھی۔

"یہاں اسکی یادیں ہیں، وہ سب تکلیف دہ لمحے ہیں۔ہم سب اسکا بھیانک ماضی ہیں۔
وہ یہاں ٹھیک نہیں ہو گی باسط"

یہ تو اسے ڈاکٹر نے بھی کہا تھا کہ اسکا ماحول بدلنا ضروری ہے۔یہ اسکی صحت کے لیئے اچھا ثابت ہو گا۔ایک نیا ماحول، نیا علاقہ، نئے لوگ، نئے چہرے، نئی سوچیں اور نئی یادیں۔

"میں تجھ پہ اپنی مرضی مسلط نہیں کروں گی پتر۔یہ میرا فیصلہ بھی نہیں ہے۔وہ تو کرے گا۔مرضی تیری چلے گی۔یہ تو بس ایک مشورہ ہے۔"

وہ لمبا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

وہ اسکے سامنے چارپائی پہ بیٹھی مسلسل کچھ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

عمر اس دن ناشتے کے بعد چائے کا کپ لیئے باہر نکلا تو اماں وہ کپڑے لیئے چار پائی پہ بیٹھی تھیں۔وہ انکے پاس آ بیٹھا۔

"آجا پتر۔۔۔۔آ دیکھ"

انہوں نے مسکرا کر خوشدلی سے کہا اور وہیں اسکی جگہ بنائی تھی۔

"باسط بہت چھوٹا سا تھا تب سے اسکی دلہن کے لیئے جوڑ رہی ہوں۔ہر عید پہ اسکی ووہٹی کے لیئے کپڑا زیور لیکر رکھ لیتی تھی۔یہ دیکھ کتنا سوہنا ہے۔۔۔۔"

وہ اسے دکھانے لگی تھیں۔

"نوری پہ بڑا سوہنا لگے گا یہ رنگ"

اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔وہ اپنی کہے جا رہی تھیں

"نکاح تو سادگی سے ہوگا پر میں ولیمہ پورے پنڈ کا کروں گی۔میرے اکلوتے پتر کی خوشی ہے۔میرے بھی تو ارمان ہیں"

"باسط کی شادی؟؟؟؟؟"

انہوں نے اچھنبے سے اسے دیکھا

"لے تجھے نہیں پتہ ؟؟؟؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"اور تو نے ہاں کر دی ؟؟؟؟؟"

عمر کی آنکھیں ابل پڑی تھیں اور آواز صدمے سے پھٹ رہی تھی۔

باسط نے سر جھکا لیا تھا۔

"میرے پاس اور آپشن تھا کیا ؟؟؟؟؟"

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا

"تت۔۔۔۔تو۔۔۔۔ایسے۔۔۔۔مم۔۔۔میرا مطلب۔۔۔۔"

اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ اسے کہے کیا۔وہ بھی سر پکڑ کے اسکے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"انہوں نے ہمیشہ مجھے دیا ہے عمر، کبھی مجھ سے مانگا نہیں ہے۔ہمیشہ صلے کی پرواہ کیئے بغیر۔اب بھی انکی خواہش، انکی مجبوری انکے اندر ہی کہیں چلاتی رہتی ہے پر وہ اسکی آواز

مجھ تک نہیں پہنچنے دیتے ہیں۔وہ مجھ سے کبھی بھی نہیں کہیں گے۔"

وہ ہولے سے دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔

"یہ شائد وہ فرض ہے جو مجھ پہ فرض نہیں ہے لیکن میں نے ادا نہیں کیا تو گنہگار ہو جاؤں گا۔"

عمر اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔جالیوں سے چھن چھن کر آتی دھوپ اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

"اور سارہ ؟؟؟؟؟؟؟اسکا کیا؟؟؟؟؟؟"

وہ خاموش رہ گیا تھا۔

سیاہ آسمان جیسے کسی مصور کا کینوس تھا جس پہ آتشبازی نے نقش و نگار بنا کر سجا دیا تھا۔ آسمان پہ دور تک روشنیاں پھول بوٹوں کی صورت میں پھیل گئیں اور اسکے حسن کو دوبالا کر گئی تھیں۔

"محترم باسط ولد نظر حسین، کیا آپکو ماہ نور ولد منظر حسین کے ساتھ نکاح بعوض پانچ

تولے سونا قبول ہے؟؟؟؟؟"

ماہ نور نے دیکھا وہ سفید ڈوپٹے کو سر پہ ڈالے جس پہ سرخ پھول بنے ہوئے تھے،
مسکراتی ہوئی ہاتھ میں پہنے گجروں سے کھیل رہی تھی۔

"قبول ہے"

ذہن کے پردوں پہ وہ منظر ابھرا تھا۔

وہ پارٹی کی شام۔۔۔ساریہ۔۔۔۔وہ چہرہ۔۔۔وہ مسکراہٹ۔۔۔۔وہ نظریں۔۔۔۔وہ
ادا۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مولانا صاحب ایجاب دوہرا رہے تھے۔

"قبول ہے"

منظر بدلا

وہ رِنگ میں پڑا تھا۔

خون۔۔۔۔بند ہوتی آنکھیں۔۔۔۔تکلیف۔۔۔۔دور وہ۔۔۔روتی ہوئی
آنکھیں۔۔۔۔۔

"کیا آپکو قبول ہے؟؟؟"

اس نے لمبی سانس بھری تھی۔

"میں تمہارے لئیے لوٹ کر آؤں گا ساریہ"

"قبول ہے"

اسے اسکی بھیگی نظریں یاد آئی تھیں اور اپنا وعدہ

"تم میری بہشت ہو۔۔۔تم میرے لئیے خیر ہو۔۔۔۔تم سے محبت میرے لئیے نیکی ہے۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ماہ نور ماں سے پوچھ رہی تھی

"مرتضیٰ سویا ہوا ہے ناں۔۔۔۔سب شور نا کریں۔۔۔وہ اٹھ جائے گا۔۔۔۔میرے پتر کی نیند بڑی پکی ہے۔۔۔۔ہولے۔۔۔۔"

اب دعا ہو رہی تھی۔اس نے ہاتھ اٹھاتے ہی سب سے پہلی دعا جو مانگی تھی وہ اپنے پہلو میں بیٹھی اس لڑکی کے لئیے کامل صحت تھی۔

وہ رات کسی گناہگار کے اعمال جیسی تھی۔بے تحاشا سیاہ اور ڈراؤنی۔سارا گاؤں اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔وقفے وقفے سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آتی تھیں۔

عباس دبے پاؤں چلتا ہوا قبرستان کی دیوار تک آیا تھا۔پہلے اس نے اپنے ہاتھ میں موجود سامان کا تھیلا اندر پھینکا اور پھر وہ چھوٹی سی چار دیواری پھلانگ کر اندر کود گیا تھا۔اس نے اٹھ کر کپڑے جھاڑے اور پاکٹ میں سے وہ ٹارچ نکال کر اان کی تھی۔

اندھیرے اس روشنی کی لہر سے ہارنے لگے تھے۔

اب وہ تھیلا اٹھائے،ٹارچ سے راستہ روشن کرتا ہوا جارہا تھا۔اسکی منزل وہ قبر تھی جو کل گورکن نے اسے دکھائی تھی۔قبر کے پاس پہنچ کر اس نے ٹارچ احتیاط سے رکھی اور تھیلے میں سے کدال نکالی تھی۔

سناٹے میں کدال کے زمین سے ٹکرانے کی آواز دور تک گونج رہی تھی۔وہ اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔دور کھیتوں سے گیڈروں کی آوازیں اتی سنائی دے رہی تھیں۔کبھی کہیں بلیوں کی غراہٹ خاموشی کے بخیے ادھیڑ دیتی تھی۔وہ مسلسل اس قبر کی مٹی ہٹانے میں لگا رہا تھا یہاں تک کہ کدال کسی سخت چیز سے ٹکرایا تھا۔

وہ تابوت تھا۔

اس نے جلدی سے کدال رکھی اور آگے بڑھ کر وہ تابوت کھینچا۔ وہ اسے نکال کر وہیں قبر کے پاس رکھ چکا تھا۔ اب اس نے پاس رکھی ٹارچ اٹھائی اور تابوت کو کھول کر اندر روشنی ڈالی تھی۔

سفید کفن کی چادروں میں لپٹا وہ کپڑے کا پُتلا تھا۔

وہ اسے ہاتھ میں پکڑے بہت دیر تک زمین پہ بیٹھا رہ گیا تھا۔

"عادل۔۔۔یہ کیا کھیل کھیلا ہے تم نے؟؟؟؟؟ایک گودا جاڑ دی، کئی زندگیاں برباد کر دیں، کیوں؟؟؟؟؟؟"

رات کسی راز کے ایسی تھی۔ سیاہ پردوں میں چھپی ہوئی۔ دور ایک بار پھر سے جانوروں کے رونے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

اپنے فلیٹ کے سامنے پہنچ کر عباس نے بیگ فرش پہ رکھا اور لاک میں چابی گھمائی تھی۔ دروازہ چرر کی آواز سے کھلتا چلا گیا اور وہ ناگوار سی بند گھر کی بو اسکی ناک سے

ٹکرائی تھی۔دروازے پہ مکڑیاں جالے بن چکی تھیں۔

وہ جالے ہٹاتا اندر آیا۔سارا فلیٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔اس نے بٹن آن کیا۔ لائٹ روشن نہیں ہوئی تھی۔اس نے فون نکالا اور اسکی فلیش آن کی۔فرش پہ مٹی کی تہیں جم چکی تھیں۔داخلی دروزے کے پاس بلز،نوٹس اور اخبار کا ڈھیر تھا۔اس نے پچھلے چار ماہ سے بل نہیں بھرے تھے۔بجلی کٹ چکی تھی۔اور وہ نوٹس۔۔۔۔

اس نے وہ پیکٹ کھولا اور روشنی میں دیکھنے لگا۔اسے جاب سے نکال دیا گیا تھا۔

"ہمیں اپنی کمپنی کے لیئے کسی محنتی اور وقت کے پابند انسان کی ضرورت ہے مسٹر عباس۔آپ ہفتوں بتائے بغیر آفس سے غائب رہتے ہیں۔ہماری کمپنی کے لیئے آپکا یہ رویہ نقصان دہ ہے۔"

وہ خاموش کھڑا رہ گیا تھا۔

وہ جیسے کسی کھنڈر کے درمیان میں کھڑا تھا۔گزر جانیوالے وقت میں وہ تو ہر شے پسِ پشت ڈال کر بس اپنی ذات پہ لگے داغوں کو دھونے کی فکر میں تھا۔ہر چیز بھلائے وہ بس اسی میں لگا ہوا تھا کہ کیسے خود کو بے گناہ ثابت کر سکتا ہے۔اس کے سوا اس نے ہر

شے تیاگ رکھی تھی۔

سامان کے بیگ کوٹرین کے فرش پہ اچھال کر وہ خود بھی اوپر چڑھا تھا۔ماہ نور کوتایا ابو پیار سے ساتھ لگائے ہوئے تھے

"میں آؤں گا دھی رانی۔میں بہت جلد تجھ سے ملنے آؤں گا۔"

ٹرین چل پڑی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اوپر کھینچا تھا۔

وہ سفر ایک بار پھر سے شروع ہو چکا تھا لیکن مخالف سمت میں۔ابھی کچھ دن پہلے جب وہ گاؤں جا رہا تھا تو اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کیسے اور کیا ہو کر واپس لوٹے گا۔

شہر میں اعجاز بھائی کے ایک دوست کے توسط سے چھوٹا سا گھر مل گیا تھا۔دو کمرے، چھوٹا سا کچن، برآمدہ اور ننھا سا صحن۔اماں اور چاچی ان کے ساتھ ہی آئی تھیں۔صفائی ستھرائی اور سامان وغیرہ سیٹ کیا تھا۔ضرورت کی ہر شے سے گھر بھر کر وہ واپس چلی

گئی تھیں۔اس نے تو اماں کو بہت روکا پر وہ نہیں رکی تھیں۔

"تو جلدی جلدی پڑھائی پوری کر کے اپنا گھر بنا، نوکری پہ لگ جا، پھر میں رہوں گی تیرے ساتھ"

انکا جی بھی تو میاں کے گھر میں ہی لگتا تھا۔

دن میں نوری کی دیکھ بھال کے لیئے ملازمہ تھی۔وہ کپڑے برتن سب دیکھتی اور باسط کے بعد گھر پہ نوری کا دھیان بھی اسکے ذمہ تھا۔یونیورسٹی کے بعد وہ آتا تو وہ چھٹی کر جاتی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عم ہاسٹل میں ہی تھا۔ساریہ سے وہ ملا ضرور تھا لیکن ماہ نور کی بابت اس نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔اسی سب میں ایک ماہ گزر گیا تھا۔

"وہ بدل سا گیا ہے فائزہ"

ساریہ اپنی دوست کے گھر موجود تھی۔اس وقت وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں۔میز چائے کے لوازمات سے سجی ہوئی تھی۔ساریہ کی بات پہ اس نے چونک کر

دیکھا تھا۔

"بدل گیا مطلب؟؟؟؟"

وہ الجھی ہوئی سی دکھائی دے رہی تھی۔

"مطلب وہ جب سے گاؤں سے آیا ہے تو الگ طرح سے برتاؤ کرنے لگا ہے۔ یونیورسٹی میں بھی چپ چپ ہی رہتا ہے۔ پھر اڈے گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے۔ وہ عمر کے ساتھ ہاسٹل میں بھی نہیں رہتا ہے اب۔"

وہ زرار کی تھی۔

"ہمارے درمیان کچھ فاصلہ سا آگیا ہے۔ ہماری بات بھی برائے نام ہوتی ہے۔ پہلے تو ہم گھنٹوں باتیں کیا کرتے تھے۔ اب تو وہ جیسے بہت مصروف ہو گیا ہے۔ دو تین منٹ بعد وہ فون بند کر دیتا ہے یہ کہہ کر کے دوبارہ کرتا ہوں اور میں اس دوبارہ کی آس میں گھنٹوں انتظار کرتی ہوں"

فائزہ نے رسان سے اسے دیکھا

"ساریہ ہم سب جانتے ہیں کہ اس نے تمہارے لئیے کتنا سہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ سب

تمہارا واہم ہو"

وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"تم اس سے بات کرو۔پوچھو کہ کوئی مسئلہ ہے کیا"

وہ ہولے سے ہنسی

"یہ بات کرنا ہی تو مسئلہ ہے"

اسے یونیورسٹی سے جلدی واپس جانا پڑا تھا۔

گھر سے ملازمہ کا فون تھا۔ماہ نور کو شدید دورہ پڑا تھا۔وہ گھر پہنچا تو وہ روتی چیختی چلاتی ہوئی مرتضیٰ مرتضیٰ کر رہی تھی۔ملازمہ اسے چپ کروانے اور سنبھالنے میں ناکام ہو چکی تھیں۔

"وہ۔۔۔وہ جھوٹ بولتا ہے۔۔۔۔وہ زندہ ہے۔۔۔تت۔۔۔۔ تمہیں پتہ ہے اسکا۔۔۔۔مجھے میرے پتر کے پاس جانا ہے۔۔۔۔مجھے اسکے پاس لے چلو۔۔۔۔مجھے میرے مرتضیٰ کے پاس لے چلو۔۔۔۔"

اس نے نرمی سے اسکے ہاتھ قابو میں کیئے تھے۔

"ہاں مجھے پتہ ہے۔۔۔وہ ٹھیک ہے۔۔۔میں تمہیں لے جاؤں گا اسکے پاس۔۔۔تم بس چپ کر جاؤ۔۔۔ بلکل فکر مت کرو۔۔۔۔۔"

وہ اسے پیار سے پچکارتے ہوئے بولا تھا۔وہ نڈھال سی اسکے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

"بس۔۔۔۔اب رونا نہیں ہے۔۔۔میں آگیا ہوں ناں۔۔۔۔میں یہیں ہوں۔۔۔۔"

"تت۔۔۔۔تم بھی چلے جاتے ہو۔۔۔۔تم بھی چلے جاؤ گے۔۔"

وہ ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔

اتنے عرصے میں مرتضیٰ کے علاوہ یہ پہلی بات تھی جو اس نے اسکے منہ سے سنی تھی۔

"نہیں۔۔۔۔میں کہیں نہیں جاؤں گا۔۔۔۔میں یہیں ہوں۔۔۔"

وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

وہ کسی کو اعتبار نہیں دلا سکتا تھا کہ عادل سائیں نے مرتضیٰ کی موت کا جھوٹ بولا ہے اور قبر کے نام پہ ڈھونگ کیا ہے۔اس کی بات پہ کوئی اعتبار نا کرتا۔الٹا مرتضیٰ کی قبر کھودنے کی پاداش میں سب اسکے دشمن ہو جاتے۔اسے پتہ تھا کپڑے کا وہ پتلا اسکے اپنے گلے کا کانٹا بن سکتا تھا۔اس سے وہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا تھا۔

ثابت تو وہ کسی کو یہ سب بتا کر بھی نہیں کر سکتا تھا۔عادل کو اس سب کی بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ اس بچے کو سچ مُچ مروا دیتا۔

اسے کوئی بیوقوفی نہیں کرنی تھی۔اسے سچ کو ثبوت کے ساتھ سب کے سامنے لانا تھا اور اسکے لیئے وہ ایک نیا منصوبہ تیار کر چکا تھا۔

وہ اس شام ماہ نور کو ساتھ لیکر باہر نکلا تھا۔

"چلو ہم آئس کریم کھائیں گے، پھر پارک میں جائیں گے۔بہت مزا آئے گا"

اسکا بھی دل بہل جاتا اور وہ خود بھی فریش ہونا چاہتا تھا۔

شام ہولے ہولے خود پہ حاوی ہوتی رات سے پسپا ہو رہی تھی جب وہ دونوں آئس

کریم کے کپ لیئے کھاتے ہوئے، پارک میں بینچ پہ بیٹھے تھے۔ مدہوش کرتی ہوا سارے دن کے تھکے وجود کو راحت بخش رہی تھی۔ وہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔ وہ رغبت سے آئس کریم کھا رہی تھی جب باسط نے ساریہ کو دیکھا تھا۔

وہ ان سے کچھ فاصلے پہ ششدر کھڑی، شاک میں گھری انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

اب وہ اس بچے کی تاک میں تھا۔

اسے ہر صورت میں ڈی این اے اور بلڈ گروپ کے لیئے اسکے سیمپل چاہئیں تھے۔

اگلے کئی دن تک اس نے ڈاکٹر زین کے گھر کی نگرانی کی تھی۔ اسے انکے اور حمنہ کے معمولات از بر ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر زین صبح کلینک جاتے تو شام کو لوٹتے تھے۔ انکا مسئلہ نہیں تھا۔ مسئلہ حمنہ تھی۔ وہ ایک بوتیک چلاتی تھی لیکن اس بچے کے بعد سے وہ سب کچھ ترک کر چکی تھی۔ اب وہ گھر پہ ہی ہوتی تھی۔

"تم نے کہا تھا تم مجھ سے دور میرے لیئے جا رہے ہو۔ تم نے کہا تھا واپس میرے لیئے

لوٹ کر آو گے۔"

وہ بے بسی سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی

"تم لوٹ تو آئے ہو لیکن پہچان میں نہیں آرہے ہو۔ تم وہ نہیں ہو جو یہاں سے گیا تھا اور میرے ہاتھ میں ایک امید تھما کر گیا تھا۔ تم وہ نہیں ہو۔ تم تو کوئی اور ہی ہو۔ ہے ناں باسط؟؟؟؟؟"

اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ اسکا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ جلدی سے اگے بڑھا

"لک سارہ یہ۔۔۔ میں جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔۔۔ مجھے نہیں پتہ تھا تم کیسے ری ایکٹ کرو گی۔۔۔ سوری یار۔۔۔ پلیز رو ؤمت۔۔۔ پلیز۔۔۔"

"تم نے کہا تھا میں سب سے اہم ہوں۔ کہا تھا ناں"

"سوری۔۔۔ مجھے جن حالات میں یہ نکاح کرنا پڑا، میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا"

وہ زرا رکا

"وہ اپنے حواس کھو بیٹھی ہے۔ اسے پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں۔ اسے مدد کی

ضرورت تھی ساریہ"

وہ اسے دیکھتی رہ گئ

"اور میں؟؟؟؟میں تمہارے لئیے اپنے حواس نہیں کھو بیٹھی؟؟؟میں تمہاری محبت میں پاگل نہیں ہو گئ ہوں؟؟؟؟مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں تھی؟؟؟؟؟"

اسکا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور آواز رندھ چکی تھی۔

"سوری۔۔۔۔۔پلیز معاف کردو۔۔۔۔۔ساریہ۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔"

وہ اور کیا کہتا؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

\-

عباس نے گاڑی میں سے نکلنے سے پہلے چہرے کو اس بڑے سے ماسک سے ڈھک لیا تھا۔اب بس اکی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔وہ جلدی سے گاڑی سے نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھا۔سڑک سنسان تھی۔وہ دیوار تک پہنچا اور اس پہ چڑھنے لگا۔اگلے ہی لمحے وہ اندر کود چکا تھا۔اس نے ہولے سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا تا کہ واپسی میں اسے مشکل کا سامنا نا ہو۔

اب وہ ہولے ہولے، چھپتا چھپاتا اندر آیا تھا۔

گھر میں خاموشی تھی۔ کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اندازے سے چلتا بیڈ روم تک آیا تھا۔ وہاں بیڈ پہ وہ بچہ سویا پڑا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا آگے بڑھا اور جیب سے وہ رومال نکال کر بچے کی ناک پہ رکھا تھا۔ بچہ کسمسا کر رہ گیا۔ اس نے بچے کو اٹھایا اور کندھے پہ ڈالا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں اس نے پستول پکڑ رکھی تھی۔ وہ ویسے ہی آہستگی سے کمرے سے واپس نکل آیا تھا۔

حمنہ کچن میں تھی جب اس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئیے دہل گئی تھی۔ ملازمہ آج چھٹی پہ تھی اور زین کلینک پہ تھے تو پھر اس وقت باہر کون تھا؟؟؟؟

"اسامہ۔۔۔۔میرا بچہ۔۔۔۔وہ اکیلا کمرے میں ہے۔۔۔۔"

اس نے سوچا اور ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے سلیب پہ رکھی وہ چُھری اٹھائی اور آہستہ آہستہ چلتی دروازے تک آئی اور باہر جھانکا۔

وہ سیاہ کپڑوں میں، سر تک نقاب چڑھائے آدمی تھا جو اسامہ کو کندھے پہ ڈالے باہر کی طرف جارہا تھا۔اسکی پشت حمنہ کی طرف تھی۔

اس نے اپنی ساری ہمت جمع کی تھی اور تیزی سے اسکی طرف دوڑی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، حمنہ نے اسکی کمر پہ چھُری سے کئی وار کیئے تھے۔اسکے حلق سے کراہیں نکل گئی تھیں۔پستول اسکے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔حمنہ کا ہاتھ خون سے بھر چکا تھا اور فرش پہ بھی دور تک خون ہی خون تھا۔

"ک۔۔۔۔کون ہو۔۔۔۔تم؟؟؟؟؟"

اس نے چھری سے اسکے بازو پہ وار کیا اور پھر وہی چھری اسکے پیٹ میں سائیڈ پہ گھونپ دی تھی۔بچے پہ اس کی گرفت کمزور پڑتی چلی گئی تھی۔

ساریہ کو اعتبار کرنا ہی پڑا تھا۔اسے معاف کرنا ہی پڑا تھا۔وہ جس سے محبت کی تھیں، جس پہ دل آنکھیں بند کرکے ایمان لے آیا تھا، اسکی ہر بات کو سچ ماننا ہی پڑا تھا۔پیار تھا آخر، شک کرتی تو گناہگار ہوتی۔۔۔۔

اس دن ابو کی برتھ ڈے تھی۔

اس نے عمر اور باسط دونوں کو انوائیٹ کیا تھا۔

"چھوٹا سا فنکشن ہے۔ تم ضرور آنا"

عمر نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ باسط متذبذب میں تھا۔

"سوری یار، وہ دراصل رات میں نور کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا"

"تو اسے بھی ساتھ لے انا"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry

عمر جلدی سے بولا تھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا

"نہیں یار انجان لوگوں کو دیکھ کر وہ پریشان ہو جاتی ہے"

وہ ساریہ کی طرف مڑا تھا

"سوری یار۔ نیکسٹ ٹائم سہی۔۔۔۔"

وہ چپ رہ گئی تھی۔

وہ بمشکل گھر تک پہنچا تھا۔

بازو اور ٹانگ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔اسکے پیٹ میں سائیڈ پہ ابھی تک وہ چھُری گھسی ہوئی تھی۔اسکی نظروں کے سامنے ہر منظر دھندلا ہو چکا تھا۔تکلیف کی شدت سے اسکی جان نکل رہی تھی۔وہ وہیں فلیٹ کے دروازے میں گر گیا تھا اور اسکی آنکھوں بند ہو گئی تھیں۔

اسے ہوش آیا تو وہ ہسپتال میں تھا۔اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر وہ نرس جلدی سے آئی تھی۔

"اب کیسے ہیں آپ؟؟؟تکلیف تو نہیں ہے؟؟؟"

اس نے اپنے بازو پہ دیکھا۔وہاں پٹی بندی تھی۔

"آپ کے پڑوسی آپکو ہسپتال لیکر آئے تھے۔بلیڈنگ بہت زیادہ تھی۔اب تو بینڈیج کر دی ہے ہم نے۔بس پیٹ والا زخم گہرا ہے،اسے بھرنے میں دیر لگے گی"

ڈاکٹر نے اسے کہا تھا۔

اب اسکی نئی روٹین بن گئی تھی۔

صبح یونیورسٹی جاتا تو وہ جاگ رہی ہوتی تھی۔اکثر وہ ناشتہ ساتھ ہی کرنے لگے تھے ورنہ پہلے وہ عمر اور ساریہ دوسرے یا تیسرے لیکچر کے بعد یقنی میں ساتھ کرتے تھے۔اب وہ اکثر انہیں "میں تو ناشتہ کر کے آیا ہوں، مجھے بھوک نہیں ہے، تم لوگ کھا آؤ" کہہ دیتا تھا۔یونیورسٹی سے واپسی پہ بھی اسے گھر جانے کی جلدی ہوتی تھی۔

"نورا کیلی ہے ملازمہ کے ساتھ۔پتہ نہیں کچھ کھایا بھی ہو گا یا نہیں۔اسکی طبیعت نا بگڑ گئی ہو"

شام میں تو اب وہ ملتا ہی نہیں تھا۔

اس دن بھی ساریہ نے کہا تھا۔

"باسط شام میں شاپنگ چلیں؟"

وہ ساتھ ساتھ کلاس سے نکلے تھے۔

"مجھے کچھ کپڑے لینے ہیں۔بعد میں ہم ڈنر بھی ساتھ کر لیں گے"

باسط اسے دیکھ کر رہ گیا

"سوسوری یار، دراصل اتنی رات تک میں باہر نہیں رہ سکتا۔یونو ملازمہ بھی نہیں ہوتی۔تم فائزہ کے ساتھ چلی جاؤ شاپنگ"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اکثر یہی ہونے لگا تھا۔وہ کچھ کہتی، کہیں جانے کی بات کرتی اور وہ ٹال دیتا تھا۔"ماہ نور یہ،ماہ نور وہ"

اس دن وہ چڑ گئی تھی۔

"اِنف باسط۔۔۔۔۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا جو چلائی تھی۔

"نور نور نور۔۔۔۔۔سٹاپ رٹ۔ہر وقت یہی ایک رٹ۔میں پک چکی ہوں یہ سب سن سن کر"

وہ بولتی چلی گئی تھی۔

"بس وہی ایک تمہاری سگی ہے؟؟؟میں کیا ہوں پھر؟؟؟؟؟ہاں؟؟؟؟اسے تمہاری

ضرورت ہے مجھے نہیں ہے؟؟؟؟میرے حصے کا وقت کہاں ہے؟؟؟؟"

وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میں بھی اکیلی ہوں باسط۔۔۔میرے پاس بھی کوئی نہیں ہے۔تم تھے،اب لگتا ہے تم بھی نہیں ہو۔مجھے دیکھو تو سہی۔۔۔کیا میں بھی اسکی طرح کوئی مریض نہیں ہوں ؟؟؟؟مجھے بھی تمہارے وقت، تمہاری توجہ کی ضرورت نہیں ہے؟؟؟؟؟؟"

اسکی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔باسط کے دل کو کچھ ہوا تھا۔اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ تھاما تھا۔

"تم میری پہلی اور واحد محبت ہو سارہ۔بس تم۔کوئی تم سے پہلے نا تمہارے بعد۔۔۔۔۔بس تم۔۔۔۔سوری میں نے تمہیں اکیلا کر دیا۔۔۔سوری ان سب آنسوؤں کے لیئے۔۔۔۔"

وہ خاموش بالکونی میں کھڑا تھا۔

رات کا سیاہ آسمان سرمئی بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔وقفے وقفے سے دور کہیں بجلی چمکتی

تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اندر تک طمانیت بھرتی تھی۔

عباس بس خاموش کھڑا تھا۔

ہارا ہوا۔۔۔ تھکا ماندہ۔۔۔

منزل کے اتنے نزدیک پہنچ کر بھی وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس اپنی ذات پہ لگے الزام کو کھرچ کر سچ ڈھونڈ نکالنے کے باوجود وہ مجرم ہی تھا۔ اسکے اندر جلتے بھانبڑ ایک لمحے کے لیئے بھی ٹھنڈے نہیں پڑے تھے۔

اسکی آنکھ سے وہ آنسو بہہ نکلا تھا۔

تھکان کا آنسو۔۔۔ بے بسی کا آنسو۔۔۔ ہار جانے کا آنسو۔۔۔

ڈاکٹر زین اور حمنہ وہ گھر چھوڑ کر جا چکے تھے۔

کہاں ؟؟؟؟؟ کسے پتہ۔۔۔۔

وہ کھوجتا تو شائد کھوج لیتا لیکن اسے کھوجنا ہی نہیں تھا۔ وہ اس سب سے اتنا تھک چکا تھا کہ اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ بدن پہ لگی چوٹیں اب الزام سے زیادہ تکلیف دے رہی تھیں۔

ساری رات موسلادھار بارش ہوتی رہی تھی۔

اگلی صبح وہ اپنے بیگ لیئے، اس فلیٹ کو ہمیشہ کے لیئے چھوڑ کر گاؤں واپسی کے لیئے نکل رہا تھا۔

وہ شام باسط نے ساریہ کے ساتھ ہی گزاری تھی۔

دونوں ساتھ شاپنگ پہ گئے تھے۔اسکی پسند کے کپڑے، جوتے، جیولری، میک اپ کا سامان۔وہ سب جو اسکا تھا، تو وہ کرتا رہا تھا۔

اسکے ناں ناں کرنے کے باوجود ساریہ اسے جینٹس حصے میں گھسیٹ لائی تھی۔

"میرے پاس بہت کپڑے ہیں ابھی ساریہ"

"ہونہہ بہت کپڑے۔۔۔مجھے زہر لگتی ہیں وہ تمہاری براؤن شرٹیں۔اللہ کے بندے کچھ اور بھی پہنا کرو۔پینڈو لگتے ہو سچی"

وہ ہنسا

"اب پینڈو ہوں تو پینڈو ہی لگوں گا ناں"

وہ اسکے لئیے شرٹیں نکالتی رہی تھی۔

شاپنگ کے بعد دونوں نے ساتھ ڈنر کیا تھا۔اس خوبصورت سے ریستوران میں جہاں ہر طرف سکون پھیلا ہوا تھا۔ساریہ کی پسند کے کھانوں سے میز بھری ہوئی تھی۔وہ دونوں ہنستے مسکراتے باتیں کرتے ہوئے کھانا کھاتے رہے تھے۔

کھانے کے بعد وہ اسے گھر ڈراپ کرنے کے لئیے نکلنے والا تھا جب اس نے یکدم کہا تھا۔

"مجھے تمہاری بیوی سے ملنا ہے"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔پہلے اسے لگا وہ کوئی مذاق تھا یا طنز لیکن وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"پلیز۔۔۔میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں"

وہ خاموش رہ گیا تھا۔

وہ رات گئے گھر پہنچے تھے۔اس نے ملازمہ کو کہہ دیا تھا کہ وہ کام سے جا رہا ہے تو گھر پہ نور کے پاس رک جائے۔اب بھی دروازہ ملازمہ نے ہی کھولا تھا۔ساریہ اور باسط آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"نور۔۔۔۔دیکھو تو کون آیا ہے۔۔۔۔نور۔۔۔۔"

وہ آگے بڑھا اور پچکارتے ہوئے کہا تھا۔وہ بیڈ پہ بیٹھی تند نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی رہی تھی اور پھر یکدم چلانے لگی تھی۔بے تحاشا جنونی انداز سے۔وہ گھبرا گیا تھا۔آج سے پہلے اس نے کبھی اسے اتنا شدید ری ایکٹ کرتے نہیں دیکھا تھا۔وہ اس پہ پڑنے والے دورے کی کیفیت سے یکسر مختلف تھا۔سار یہ بھی پریشان سی دروازے میں کھڑی رہ گئی تھی۔

اب نور چیزیں اٹھا اٹھا کر سار یہ کو مار رہی تھی۔

"یہ۔۔۔۔یہ جائے۔۔۔۔یہ جائے یہاں سے۔۔۔۔یہ گندی ہے۔۔۔۔یہ جائے۔۔۔۔چلی جائے۔۔۔۔یہ گندی۔۔۔۔"

وہ حلق کے بل چلا رہی تھی۔

عباس نے حیرانی سے سکول کے دروازے پہ کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔گیٹ ٹوٹ چکا تھا۔سکول کے نام کا بینر جگہ جگہ سے پھٹ کر چیتھڑوں کی صورت میں لٹکا ہوا تھا۔

"اس دن کے بعد سے سب گاؤں والے بڑے غصے میں ہیں جی۔اس رات انہوں نے

سکول میں بہت توڑ پھوڑ کی جب آپ اور وہ لڑکی۔۔۔۔۔"

چوکیدار بولتا بولتا رکا تھا۔

عمارت کا برا حال تھا۔اس سے بد حالی ٹپک رہی تھی۔

"میں نے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی پر آپ نے فون بھی نہیں اٹھایا صاحب جی۔گھر بھی آپکا بند ملا جب بھی میں گیا"

وہ سات ماہ بعد وہاں آیا تھا۔اس جگہ جس کا خواب وہ سات کا تھا،تب سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے تو اپنے خواب کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا اور بس وہ کالک دھونے میں لگا رہا تھا جو ابھی تک اسکے چہرے پہ تھی۔آج بھی گاؤں لے لوگ اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھتے تھے اور اسے دیکھ کر زمین پہ تھوک دیتے تھے۔آج بھی ان مردوں کو اس پہ غصہ تھا اور عورتوں کے لیئے وہ بدکردار تھا۔

وہ خاموشی سے ساری عمارت کا جائزہ لینے لگا تھا۔اسکی دوبارہ مرمت اور تعمیر ہونا تھی۔

"وہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔۔۔وہ۔۔۔وہ میرے گھر نا آئے۔۔۔۔وہ گندی۔۔۔۔
گندی ہے۔۔۔۔"

باسط اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ ساریہ تو کب کی جا چکی تھی۔ وہ اسے چھوڑنے جانا چاہتا تھا
لیکن نور نے اسکا ہاتھ ہی نہیں چھوڑا تھا۔

"اٹس او کے باسط۔ میں چلی جاؤں گی"

وہ جتاتی نظروں سے اسے دیکھتی چلی گئی تھی اور اب وہ اسکے سامنے تھے۔

"تت۔۔۔۔تم بھی چلے گ ئے۔۔۔۔مرتضٰی کی طرح۔۔۔۔سب کی طرح۔۔۔۔
تت۔۔۔۔تم بھی چلے جاؤ گے۔۔۔۔۔۔ہے ناں۔۔۔۔تم بھی۔۔۔۔۔"

اسکی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے"

باسط نے نرمی سے کہا تھا۔

اگر وہ یہ سوچ رہا تھا کہ صبح وہ اٹھ کر سب بھول بھال چکی ہو گی تو یہ اسکی خام خیالی تھی۔
اگلے بہت سے دن وہ یقینی چیخنی چلاتی رہی تھی۔ وہ دو دن یونیورسٹی نہیں جا سکا تھا۔ وہ

کسی اور کے سنبھالنے میں نہیں آتی تھی۔گھر میں رہتی تو روتی رہتی، پارک میں جاتی تو بچوں کے پیچھے میرا بیٹا کہہ کر بھاگتی۔

وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لیکر آیا تھا۔

"ایسا ہوتا ہے۔ذہنی طور پہ کمزور انسان کچھ دن بالکل نارمل برتاؤ کرتا ہے اور پھر واپس اپنی پہلی حالت پہ آجاتا ہے"

"کیا چیز اسے واپس اسی جنونی حالت تک لاتی ہے ڈاکٹر؟؟؟"

"کوئی واقعہ جو تکلیف دہ ہو، کوئی انسان جو اسے پسند نا ہو، کوئی ایسی شے جو وہ کھونا چاہے لیکن اسے لگے وہ اسے کھودے گا۔کچھ بھی۔۔۔۔"

وہ خاموش رہ گیا تھا۔

انہوں نے اسے ایم آر آئی کے لئیے کہا تھا اور رپورٹس پریشان کن تھی۔

"کچھ ہے جو اُبھر سا رہا ہے۔ننھی سی بڈ۔یہ پائپر ٹرافی ہے یا پھر بینائن اینلار جمنٹ۔یہ پیچوٹری گلینڈ کے بہت پاس ہے دماغ میں۔یہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔۔۔۔"

وہ پریشان ہو گیا تھا

"ابھی یہ اتنا چھوٹا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتے۔یہ نارمل ٹشو کی ایک گروتھ لگ رہی ہے۔"

"اب کیا ہو گا ڈاکٹر؟؟؟"

"فالواپ پہ ڈالتے ہیں۔کچھ دن بعد دوبارہ ٹیسٹ کریں گے پھر دیکھتے ہیں۔"

کمرے میں خاموشی تھی۔

فضامیں گلابوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔وہ لڑکی دلہن بنی بیڈ کے عین بیچوں بیٹھی تھی۔خوبصورت لہنگا پھیلائے،سر جھکائے،سہاگ کے انتظار میں۔

تبھی دروازہ کھلا تھا۔

وہ عادل مقصود تھا۔

کلف زدہ سفید لباس میں ملبوس،مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا،اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتا اندر آیا تھا۔واسکٹ اتار کر وہیں صوفے پہ پھینکی اور قمیض کا اوپری بٹن کھول کر اسکے پاس آ بیٹھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اندر تو بڑا حبس ہے۔۔۔ گرمی سی لگ رہی ہے"

اس نے برا سامنہ بنا کر تھوک نگلا اور سینے کو مسلا تھا۔سینے میں یکدم گھٹن سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"پپ۔۔۔۔۔۔پانی دینا"

وہ درد بڑھتا جا رہا تھا۔وہ گھبرا اٹھی اور میز پہ رکھے جگ سے پانی کا گلاس بھرنے لگی تھی۔جب تک وہ گلاس لیکر اسکی طرف پلٹی،وہ سینے پہ ہاتھ رکھے فرش پہ ڈھے چکا تھا۔

سار یہ بہت دیر سے کروٹ لیئے خاموش لیٹی تھی۔

چھت والا پنکھا سست روی سے گھوم رہا تھا۔اب تو ویسے بھی اسکی ضرورت نہیں رہی تھی۔موسم تیزی سے بدل رہا تھا۔کمروں سے حبس بھاگ نکلا تھا اور وہ ٹھنڈک سی ہر طرف بھرنے لگی تھی۔

سوائے اسکے وجود کے۔۔۔۔

وہاں بے چینی کے حبس جوں کے توں تھے۔وہاں سکون کی کوئی ٹھنڈک نہیں تھی۔

یونہی لیٹے لیٹے جانے کب وہ آنسو اسکے گالوں پہ بہنے لگے تھے۔وہ ویسے ہی خاموش لیٹی تھی۔

اس سے بہت دور باسط کا گھر تھا۔

نوری صوفے پہ بیٹھی تھی اور اسکے سامنے میز پہ کیک رکھا تھا جس پہ موم بتیاں روشن تھیں۔باسط اور عمر وہیں تھے۔سروں پہ تکونی ٹوپیاں پہنے وہ "ہیپی برتھ ڈے ماہ نور" گا رہے تھے۔وہ شرماتی ہوئی،ہنستی ہوئی انہیں دیکھ رہی تھی۔

باسط نے اسے کیک کاٹنے کو تھا۔عمر نے اسکے کاٹتے ہی وہ شوٹر چلایا تھا۔سارے میں رنگ برنگ خوشیاں اڑنے لگی تھیں۔

سکول کی مرمت اور تعمیر کا کام شروع ہو چکا تھا۔وہ سارا دن وہیں گزارتا تھا۔وہ سب جو اسکے باپ کا بھی خواب تھا،اسے وہ پورا کرنا تھا۔

لیکن اسے اس کام میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی تھی۔گاؤں والے ابھی تک اس سے ناراض ہی تھے۔

"ہمیں معاف کر۔ ہمیں اپنے بچے یہاں نہیں بھیجنے ہیں"

اسے یہی سننے کو ملتا تھا

"تو ہمیں بچوں کو جو تعلیم دے گا وہ ہمیں پتہ ہے۔ تیرا اپنا کردار کیا ہے جو ہمارے بچوں کے کردار سنواریں گا"

اس رات بھی وہ صحن میں لیٹا تاروں بھرا آسمان دیکھ رہا تھا جب بیرونی دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ وہ گاؤں کے ہی کچھ لوگ تھے۔

"دیکھ عباس ہم تجھ سے صاف سید ھی بات کرنے اۓ ہیں۔ تیری وجہ سے پہلے عادل کا گھر ٹوٹا ہے۔ اب ہم نہیں چاہتے کہ ہماری بیٹیوں میں سے کسی کا گھر اجڑے"

وہ موٹا آدمی کہہ رہا تھا۔

"ہاں۔ ہمارے لڑکوں کا خون گرم ہے۔ وہ تجھ پہ غصہ ہیں۔ وہ مار پیٹ کر کے نکالیں، اس سے پہلے تو خود چلا جا یہاں سے۔"

باقی سب اسکی تائید میں سر ہلا رہے تھے۔

"لیکن چاچا وہ سب الزام جھوٹ ہیں"

"جھوٹ ہیں یا سچ ہمیں نہیں پتہ، تو بس اپنا بوریا بستر سمیٹ اور نکل جا۔۔۔۔"

وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا

"تیری بہتری اسی میں ہے"

وہ سب اپنی اپنی کہہ کر چلے گ ئے تھے۔

"کہیں کچھ چھپا ہوا ہے عمر۔ کہیں تو کچھ بہت غلط ہوا ہے"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باسط اور وہ دونوں واک کے لیئے نکلے تھے۔

"اس لڑکی کے کردار کی گواہی میں دے سکتا ہوں۔ وہ یہ سب مر کے بھی نہیں کر سکتی جس کا اس پہ الزام لگایا گیا ہے۔ یہ سب کیوں ہوا، کس نے کیا، مجھے جاننا ہے"

عمر خاموشی سے سن رہا تھا۔

"ڈاکٹرز کہتے ہیں وہ ایسے ہی رہی تو برین ٹیومر کا خدشہ ہے۔ اسے پہلے بھی سٹروک ہو چکا ہے۔ میں اسے یوں مرنے نہیں دے سکتا"

وہ فیصلہ کن لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ بھی تو دو کشتیوں کا سوار بن چکا تھا۔

نور کو دیکھتا تھا تو اس میں ساریہ کو کھوجتا تھا۔اسکے ساتھ ہوتا تو ساریہ کی یاد ستاتی رہتی تھی۔وہ ہر شے چھوڑ چھاڑ اسکے پاس بھاگ جانا چاہتا تھا اور جب اسکے پاس ہوتا تھا تو ماہ نور کے لئیے ذہن بھٹکتا رہتا تھا۔وہ عجیب صورتحال میں پھنس چکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باسط نے فون کان سے لگایا اور صحن میں نکل آیا تھا۔ماہ نور سو چکی تھی۔

"اماں۔مجھے ایک ضروری بات کرنی ہے"

وہ وہیں ایک طرف بچھی چارپائی پہ بیٹھ گیا تھا

"وہ لڑکا کون تھا جس کی وجہ سے نوری پہ الزام لگا تھا؟؟؟؟ہمارے گاؤں کا تھا؟؟؟؟

"

وہ حیران ہوئیں

"خیر ہے پتر؟؟تجھے اتنی رات کو یہ کیوں یاد آگیا؟؟؟؟؟؟"

"بتاؤنا اماں، کون تھا وہ؟؟؟؟"

دوسری طرف زرا خاموشی ہوئی۔

"عباس نام تھا اسکا۔ وہیں عادل کے پنڈ میں رہتا ہے۔ شہر کا پڑھا ہوا ہے، ماں باپ بہن بھائی کچھ نہیں، اکیلا۔۔۔۔"

"نوری اسے کیسے جانتی تھی؟؟؟؟"

وہ ایک لمحے کو چپ رہ گئیں۔

"مجھے نہیں پتہ"

باسط نے لمبی سانس بھری تھی

"تم کچھ چھپا رہی ہو اماں؟؟؟؟؟؟"

"نہیں"

"ایک بات بتانا۔ سچ سچ۔۔۔۔ کیا تمہیں بھی لگتا ہے اماں کہ وہ جھوٹی ہے اور وہ الزام سچا ہے؟؟؟؟"

وہ جواب نہیں دے پائی تھیں۔

کال کٹ گئی تھی۔وہ فون ہاتھ میں لیئے بیٹھی رہ گئی تھیں۔وہ ایک یاد بازگشت بنی گونجتی رہی تھی۔

"میں اسے پسند کرتی ہوں چاچی۔وہ اچھا لڑکا ہے۔"

وہ ان لوگوں کے جانے کے بعد بہت دیر تک وہیں برآمدے میں سیڑھی پہ بیٹھا رہا تھا۔ستون سے ٹیک لگائے خاموش اور بے بس سا۔۔۔

زندگی ایک بند کوچہ بن چکی تھی۔آگے کچھ تھا ہی نہیں۔پیچھے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

اس نے تھک کر سر ٹکایا اور آسمان کو دیکھنے لگا۔رات خاموش تھی۔آسمان تاروں سے لدا ہوا تھا۔اس نے کرب سے آنکھیں موندلی تھیں۔دل بہت بری طرح سے دُکھا ہوا تھا۔

"پتر۔۔۔۔"

کسی نے ہولے سے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"میرا عباس۔۔۔۔میرا مان۔۔۔۔"

اس نے چونک کر دیکھا۔وہ اسکے والد تھے۔

"رو کیوں رہا ہے؟؟؟؟؟"

اسکا ضبط ٹوٹ رہا تھا۔پلکوں میں اٹکی بارش برسات ہونے کو تھی۔

"میں تھک گیا ہوں ابا جی۔۔۔۔"

"کوئی گل نہیں پتر۔تھک گیا ہے تو آرام کر لے"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Reviews

"آرام سے کیا ہو گا؟؟؟مشکلیں حل ہو جائیں گی؟؟؟"

وہ مسکرا دیئے

"تو رونے سے حل ہو جائیں گی؟؟؟؟؟"

وہ خاموش رہ گیا تھا

"وہ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔مجھے گالیاں دیتے ہیں۔بدکردار کہتے ہیں۔ابا جی

وہ مجھ پہ جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔میں جھوٹا نہیں ہوں ابا جی"

"تو انہیں بتا کہ تو جھوٹا نہیں ہے۔ثابت کر"

"کیسے؟؟؟؟؟"

"یہ تجھے پتہ ہو گا"

انہوں نے کندھے اچکا دیئے

"دیکھ پتر دو ہی راستے ہیں۔کالک بھرے چہرے کے ساتھ جینا سیکھ لے یا منہ دھو لے۔تیری مرضی ہے۔لوگوں کا کیا ہے،آج ہیں کل نہیں ہوں گے،آہستہ آہستہ سب بھول جائیں گے،لیکن کیا تو بھول جائے گا؟؟؟تجھے یاد رہے گا کہ تو سچا تھا اور تجھے جھوٹا کہا گیا تھا؟؟؟؟؟؟"

وہ خاموش بیٹھا سن رہا تھا

"لڑ کے ہار جانا ڈر کے ہار سے بہتر ہوتا ہے پتر"

وہ بہت دیر تک آنکھیں موندے بیٹھا رہا تھا یہاں تک کہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا سکے چہرے سے ٹکرایا تھا۔اس نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔

فسوں ٹوٹ چکا تھا۔

وہ اکیلا برآمدے کی سیڑھی پر ستون سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"باسط نہیں آیا؟؟؟؟"

یونیورسٹی میں مووی نائٹ تھی۔اس کا اور باسط کا بعد میں آؤٹنگ کا پلان تھا۔وہ بہت دیر سے اسی کے انتظار میں تھی جب اس نے عمر کو اکیلے ہی آتے دیکھا تھا۔

"نہیں۔وہ تو ایمرجنسی میں گاؤں چلا گیا ہے اپنی مسز کو لیکر"

اسکی رنگت پھیکی پڑتی چلی گئی تھی۔اسکا دل اس سب سے یکدم اچاٹ ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟؟؟؟"

عمر نے اسے حیرانی سے دیکھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔بس۔۔۔۔۔"

وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔یونیورسٹی کا لان خاموش پڑا تھا۔اونچے اونچے درخت سناٹا اوڑھے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔

وہ حلق کے بل چلائی تھی اور تھک کر وہیں گھاس پہ گرنے کے انداز میں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"لوٹ آؤ۔۔۔۔باسط۔۔۔۔میرے لیئے۔۔۔پہلے کی طرح۔۔۔بس میرے بن کر۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔پلیز۔۔۔میں۔۔۔میں پاگل ہو چکی ہوں۔۔۔میں بھی کملی۔۔۔ہاں۔۔۔میں بھی تمہارے لیئے کملی۔۔۔ہو چکی ہوں۔۔۔"

وہ بہت دیر تک وہاں بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی۔

نومبر کے آسمان کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا جارہا تھا۔سورج بھی بڑا خاموش خاموش سا رہتا تھا۔اسکی ساری جوانی بھی تھک کے پیری اوڑھ چکی تھی۔موسم کا سارا ہیجان ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

وہ صبح بھی کسی مظلوم کی آہ جیسی ٹھنڈی تھی۔دھان کے کھیت مہکے ہوئے تھے۔ہوا اسکی باس چُرا کے سانسوں کی خالی جیبیں بھرنے میں لگی ہوئی تھی۔کنو کے درخت ہرے ہرے ٹیٹ پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ابھی فی الحال تو انکا رنگ بدلنے کا کوئی

ارادہ نہیں تھا۔لیموں کے بوٹے البتہ پیلے پیلے سے ہو رہے تھے۔ گریپ فروٹ بھی آپے سے باہر ہو کر درختوں کو وخت میں ڈالے ہوئے تھے۔انکی ڈالیوں سے ہوتی ہوا سریلی راگنی گاتی گاؤں تک پہنچی تھی۔

سکول کی ادھوری تعمیر شدہ عمارت اونگھ رہی تھی۔اس سے زرا آگے وہ گھر بھی خاموش تھا۔

برآمدے میں بچھی چارپائی ابھی تک جانیوالے کے قدم دیکھ رہی تھی۔بیرونی دروازے پہ تالا پڑا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گاؤں سے باہر جاتے راستے پہ وہ گاڑی دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

ایمر جنسی کے سامنے کوریڈور میں بھاگتے قدموں کی آوازیں تھیں جو سٹریچر کو گھسیٹے لے جا رہے تھے۔اس پہ عادل پڑا تھا۔بائیں طرف سینے کو مسلتا وہ شدید تکلیف میں تھا۔

"ایمر جنسی ڈاکٹر۔ہارٹ اٹیک آیا ہے"

وہ اسے آئی سی یو میں لے گ ئے تھے۔اسکی نئ نویلی دلہن،اسی سرخ جوڑے میں وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

باسط اور ساریہ کلاس سے ساتھ ساتھ باہر نکلے تھے۔

"کیسے ہو تم؟؟؟؟"

وہ اسے بغور دیکھتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں مادام،آپ سنایئے؟؟؟"

"گاؤں گ ئے تھے،وہاں سب ٹھیک ہیں؟؟؟؟"

وہ اسے جتانا چاہتی تھی کہ وہ اسے مووی نائٹ کا کہہ کر خود گاؤں چلا گیا تھا۔باسط اسکے سوال پہ الجھ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"تمھیں کس نے کہا کہ میں گاؤں گیا تھا؟؟؟"

"عمر نے"

وہ ایک لمحے کو خاموش رہ گیا تھا۔

"عمر نے ؟؟؟؟؟؟"

اس نے جھوٹ کیوں بولا جبکہ میں تو گاؤں گیا ہی نہیں ؟؟؟؟؟؟

وہ اسی دن کلاس کے بعد اسکے ہاسٹل کے کمرے میں آیا تھا۔

"تو نے اس سے جھوٹ بولا عمر ؟؟؟؟"

"کس سے ؟؟؟"

وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا تھا

"بن مت۔ تجھے بھی پتہ ہے تو نے کس سے اور کیا جھوٹ بولا ہے"

وہ چپ رہ گیا تھا۔ باسط کو غصہ چڑھا۔ وہ اسکی طرف بڑھا اور اسکا گریبان پکڑا

"تو نے اس سے جھوٹ کیوں بولا ؟؟؟؟ اور مووی نائٹ کے بارے میں تو نے مجھ سے بھی جھوٹ بولا کہ وہ کینسل ہو گئی ہے جبکہ وہ کینسل نہیں ہوئی تھی۔ وہ میرا انتظار کرتی رہی تھی۔۔۔۔۔"

وہ ابھی بھی چپ تھا۔

"بول چپ کیوں کھڑا ہے؟؟؟؟تو نے کیوں اس سے جھوٹ بولا؟؟؟؟؟"

"ہاں بولا میں نے جھوٹ"

اس نے اونچی آواز میں کہا تھا

"اپنے لیئے نہیں بولا،نا تیرے لیئے۔۔۔"

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"پھر؟؟؟؟پھر کیوں؟؟؟؟کس کے لیئے؟؟؟؟"

"اس کملی کے لیئے جو ساریہ سے زیادہ تجھے ڈیزرو کرتی ہے۔۔۔"

وہ ہولے ہولے کہہ رہا تھا۔

"اس لیئے کہ دوبارہ کوئی عمر اسلم پیدا نا ہو۔۔۔۔"

"میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے،خود کو اکیلا ہی دیکھا ہے،خود کو اکیلا ہی پایا ہے

باسط"

وہ اسکے سامنے بیٹھا دھیمے لہجے میں بول رہا تھا

"میرے پاپا ہائی فائی کلاس سے تھے۔ پڑھے لکھے، اچھی پرسنالٹی، بڑے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا۔۔۔ میری ماں میں یہ سب نہیں تھا۔ وہ ہر لحاظ سے کمتر تھیں۔ شکل صورت واجبی، تعلیم برائے نام۔ بس گھر والوں کے دباؤ کی وجہ سے پاپا نے شادی کر لی ورنہ وہ لمبی چوڑی جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ انہوں نے دل سے میری ماں کو کبھی قبول نہیں کیا۔ میں بھی جانے کیسے پیدا ہو گیا۔ شائد غلطی سے۔ انہوں نے انہیں ہمیشہ طعنے دیئے، انکو پینڈو کہا، حقیر جانا اور ذلیل کیا۔ میری ماں سب سنتی رہی، سب سہتی رہی اور ہولے ہولے اپنے حواس کھونے لگی"

باسط نے دیکھا اسکی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"میری ماں بگڑتی رہی، میرا باپ سنورتا گیا۔ اِدھر جائیداد کا بٹوارہ ہوا، اُدھر انہوں نے دوسرا بیاہ رچا لیا۔ اپنی کسی محبت سے جو انکی برابری کی تھی۔ شہر کی لڑکی، کانفیڈنٹ، پڑھی لکھی اور حسین۔ میری ماں اسکے سامنے فیل ہو گئی۔ اسے شراکت داری پسند نہیں تھی۔ میرے باپ کو کہا تو انہوں نے کھڑے کھڑے میری ماں کو

طلاق دیدی"

اسکے گالوں پہ آنسو بہہ نکلے تھے۔

"وہ پاگل ہو گئیں باسط۔ حواس کھو دیئے۔ ہر بات بھول گئیں۔ بس ایک کملی جھلی بن گئیں۔ اور میں ؟؟؟؟؟ میں کچھ بھی نا رہا۔۔۔۔۔ دس سال میں نے اپنی ماں کو ایسی تکلیف میں دیکھا۔ روتے چیختے چلاتے میرے باپ کو پکارتے۔ آخری سانس تک لیکن وہ نہیں آئے۔۔۔ ایک بار بھی نہیں۔۔۔۔ وہ مر گئیں۔۔۔۔ انہیں یاد کرتے کرتے۔۔۔ وہ زندہ رہے۔۔۔ انہیں بھول کر بھی زندہ رہے۔۔۔۔۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ باسط جلدی سے اٹھا اور اسکے پاس بیٹھ کر اسکے کندھوں کو سہلایا تھا

"یاد انہیں آئی تو بہت سالوں بعد جب میری یاد آئی۔۔۔ انہوں نے ناقدری کی تو خدا نے بھی انہیں سزا دینے کی سوچی۔ انکی بیوی بانجھ نکلی۔ شادی کے چودہ سال بعد بھی۔ تب انہیں میں یاد آیا۔ تب جب بہت دیر ہو چکی تھی۔۔۔۔ انہوں نے میری کو چھوڑ دیا، میں نے انہیں۔۔۔ میں نے انہیں دھتکار دیا۔۔۔ وہ میرے کچھ بھی نہیں لگتے باسط کیونکہ وہ میری ماں کے کچھ نہیں لگتے تھے۔۔۔۔۔"

وہ زرار کا تھا۔

"ماہ نور تجھے دیکھتی ہے تو اسکے دیکھنے میں میری ماں کی نگاہیں دیکھتی ہیں باسط۔ وہ جب روتی چلاتی ہے تو مجھے ان کی چیخیں سنائی دیتی ہیں۔

میں نے اس لئیے جھوٹ بولے تھے باسط۔ میں ایک بار پھر سے کسی عمر کا جنم نہیں چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا جتنی نفرت میں اپنے باپ سے کرتا ہوں کوئی اور بیٹا بھی اپنے باپ سے کرے۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ پاگل پن کو توجیہہ بتا کر کوئی کسی کو پھر سے چھوڑ دے۔۔۔۔"

وہ بولتا چلا گیا تھا۔ باسط نے خاموشی سے اسکی ساری بات سنی تھی اور رسان سے اسے دیکھا تھا۔

"میں اسے چھوڑوں گا یا نہیں، وہ مجھے چاہنے لگی ہے یا نہیں، وہ ٹھیک ہو گی یا نہیں۔۔۔ میں یہ سب نہیں جانتا عمر۔۔۔ میں بس ایک بات جانتا ہوں کہ میں ساریہ سے بہت محبت کرتا ہوں اور اس سے دستبردار میں کبھی بھی نہیں ہوں گا"

وہ مضبوط لہجے میں کہتا چلا گیا تھا۔

اس رات ڈاکٹر زین اور حمنہ آؤٹنگ کے لیئے باہر نکلے تھے۔اسامہ انکے ساتھ ہی تھا۔

جب سے وہ آدمی اس کو اغوا کرنے کی نیت سے گھر میں داخل ہوا تھا، وہ بہت محتاط ہو چکے تھے۔پہلے انہوں نے مکان بدلا اور اب شہر بھی بدل لیا تھا۔ہسپتال سے بھی انہوں نے ٹرانسفر کروالی تھی۔

اس رات وہ سیر کے بعد لوٹے تو تینوں تھکے ہوئے تھے۔ڈاکٹر زین تو وہیں لاؤنج میں سو گئے تھے۔حمنہ بچے کو لیکر کمرے میں چلی گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ رات ٹھیک ٹھاک ہی گزری تھی۔

کوئی کھٹ پٹ نہیں۔۔۔کوئی آہٹ نہیں۔۔۔۔

اگلی صبح حمنہ حیران تھی۔اسامہ کے سر کے بال دائیں کنپٹی سے ایک گُچھے کی صورت میں غائب تھے۔

باسط اس گاؤں میں دوسری بار آیا تھا۔

ماہ نور کے ولیمے میں شرکت کے لیئے جب وہ سب عادل کی حویلی آئے تھے تب وہ پہلی بار وہاں آیا تھا۔وہ گاوں انکے گاؤں کے پڑوس میں ہی تھا۔عادل کے والد تایا ابو کے دور پار کے کزن تھے تو پیچھے کہیں رشتے داری بھی تھی۔اور گاؤں وغیرہ میں تو ویسے بھی سب کہیں نا کہیں جا کر کڑیاں جوڑ کے رشتے دار بن ہی جاتے ہیں۔

اب وہ پوچھتا پاچھتا عباس کے گھر تک پہنچا تھا۔اسکی مایوسی کے لیئے دروازے پہ لٹکا تالا اسکا منہ چِڑا رہا تھا۔

"اگر نوری بے گناہ ہے تو وہ عباس نامی شخص بھی مجرم نہیں ہے۔مجھے اسکی طرف سے بھی سب جاننا ہے۔شائد بہتری کے لیئے کوئی کلیو مل جائے"

اور اب۔۔۔۔۔۔۔

"چاچا یہ کدھر گئے ہیں؟؟؟"

اس نے راہگیر سے پوچھا تو اس نے منہ بنایا تھا۔

"مجھے کیا پتہ۔ہم کیوں زانیوں اور بد کرداروں کا پتہ رکھیں"

وہ چپ رہ گیا

"یہ بڑا خراب آدمی ہے۔ادھر پنڈ کے سرپنچ کے پتر کی بیوی سے معاشقہ تھا اسکا۔توبہ توبہ بچہ بھی تھا اسی ناجائز تعلق سے۔"

اس سے زیادہ باسط سن نہیں سکتا تھا۔

اِدھر اُدھر سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ شہر میں جاب کرتا تھا۔سکول کے چوکیدار سے اسکا نمبر بھی مل گیا تھا جو کہ فی الوقت بند تھا۔اسکے شہر کے فلیٹ کا ایڈریس بھی مل گیا تھا۔اب اسکی امید بندھنے لگی تھی۔

"ہارٹ اٹیک آیا ہے۔ساتھ ہی سٹروک نے حملہ کیا ہے۔داہنی طرف کی باڈی پہ شدید اثر ہوا ہے"

وہ آئی سی یو میں ہی تھا۔اسکے چاچے تائے اپنے لڑکوں کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔وہ سب جن کے ساتھ عادل اور اسکے باپ نے ہمیشہ کھیلے کیئے تھے۔انہوں نے مرتے ہوئے باپ کے انگوٹھے لگوا کر ساری حویلی اور زمینیں اپنے نام کروالی تھیں۔سارے تائے چاچے دیکھتے رہ گئے تھے۔اب انکی باری تھی۔ویسے بھی جانور جب مرنے والا ہو تو

گِدھ اتر ہی آتے ہیں۔

"وہ حویلی وہ زمین جائیداد ہماری ہے"

"وہ ہماری ہے"

وہ اپنی اپنی لڑائی لڑنے لگے تھے۔

وہ ابھی نیم بے ہوشی میں ہی تھا۔اسکے تائے کے لڑکوں نے وارڈبوائے کی مٹھی گرم کر کے کاغذات پہ اسکے انگوٹھے لگوا لیئے تھے۔

"جیسی کرنی ویسی بھرنی۔۔۔۔"

دو دن بعد اسے ہوش آیا تھا۔اپنی فالج زدہ زبان سے وہ ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہا تھا۔

"نن۔۔۔۔۔۔نو۔۔۔۔۔۔نور۔۔۔۔۔۔۔نن۔۔۔۔۔۔نو۔۔۔۔ری۔۔۔۔"

وہ چند ٹوٹے پھوٹے لفظ تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باسط نے دوسری بار دستک دینے کے لیئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا تھا۔

سامنے وہ گندمی سی رنگت والا انسان کھڑا تھا

"آپ عباس ہیں؟؟؟؟"

عباس نے اثبات میں سر ہلایا۔باسط نے داہنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"میں باسط نظر حسین ہوں۔ماہ نور کا شوہر"

وہ دھک سے رہ گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ساریہ نے ٹہنی سے وہ گلاب کا پھول کھینچ کر جدا کیا تھا۔وہ کانٹا اسکی انگلی میں گھس گیا تھا۔اسکے لبوں سے ہلکی سی سسکاری نکلی اور انگلی پہ وہ ننھا سا خون کا قطرہ نمودار ہو گیا تھا۔

"میں تم سے دور جا رہا ہوں لیکن تمہارے لیئے ہی جا رہا ہوں۔میرا اعتبار کرنا۔میں بس تمہارے لیئے لوٹ کر واپس آؤں گا"

اسکے کانوں میں وہ آواز گونج رہی تھی۔

ذہن کے پردوں پہ وہ منظر لہرا گیا جہاں باسط اور ماہ نور ساتھ ساتھ ہنستے مسکراتے شاپنگ مال میں تھے۔

"تم میری پہلی اور آخری محبت ہو ساریہ، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا"

اسکے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔اس نے وہ پھول سامنے کیا اور وہ بھینی سی خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔

"توبہ کتنی بری چائے بناتی ہو تم تمہیں کبھی باسط کی مسز کے ہاتھ کی بنی چائے پینی چاہئیے۔مزا آجائے گا"

اسکی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

"وہ تو اپنی مسز کے ساتھ گاؤں گیا ہے"

"یہ گندی ہے۔۔۔اسے کہو یہاں سے جائے۔۔۔یہ بری۔۔۔یہ ابھی نہیں ہے باسط۔۔۔۔"

وہ اسکے ہاتھ جکڑے ہوئے تھی۔

تیز ہوا کے جھونکے سے پھول کی پتیاں دور تک بکھرتی چلی گئی تھیں۔وہ ساکت کھڑی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

رہ گئی تھی۔

"میں نے وہ سب نہیں کیا۔۔۔۔میں بے گناہ ہوں"

باسط نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا تھا۔

"ہر مجرم یہی کہتا ہے کہ وہ معصوم ہے"

"تو تم مجھے مجرم ثابت کرنے کے لئیے آئے ہو؟؟؟"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باسط نے نفی میں سر ہلایا

"نہیں، میں بس جواب ڈھونڈنے آیا ہوں"

وہ دونوں امنے سامنے بیٹھے تھے۔درمیان میں رکھی میز پہ دھرے چائے کے کپوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

"وہ تو میں بھی ڈھونڈ رہا ہوں۔آٹھ ماہ سے میں اسی میں لگا ہوا ہوں۔ہر شے بھلا کر، جاب گھر بار سکول سب داؤ پہ لگا کر بس اپنی ذات پہ لگے ان داغوں کو دھونے میں لگا ہوا ہوں"

وہ زرار کا تھا۔

"وہ رپورٹس غلط تھیں باسط"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو تم"

وہ ہولے سے مسکرایا تھا

"کیونکہ میرے پاس صحیح رپورٹس ہیں۔"

باسط کو اسکی دماغی حالت پہ شک ہوا تھا۔

"تمہیں خود بھی پتہ ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟؟؟"

وہ جوابا اُٹھا اور اندر کمرے میں چلا گیا تھا۔ واپس لوٹا تو اسکے ہاتھ میں وہ فائل تھی۔

"یہ ڈی این اے رپورٹس وہ ہیں جو عادل نے دکھائی تھیں۔ اس میں میری ڈی این اے رپورٹ ٹھیک ہے لیکن مرتضیٰ کی نہیں۔ وہ جعلی تھی۔ میری رپورٹس سے بنائی گئی نقل۔"

اس نے دوسرا کاغذ اسکے سامنے رکھا۔

"یہ ہے مرتضیٰ کی اصل ڈی این اے ٹیسٹ رپورٹ۔اب میری رپورٹ سے اسکا موازنہ کرو۔دیکھو کہیں زرا سی بھی مماثلت ہے؟؟؟؟"

باسط الجھ کر رہ گیا

"ایک منٹ رکو،میری بات سنو۔تم کہہ رہے ہو یہ مرتضیٰ کی صحیح رپورٹ ہے۔تم نے یہ کہاں سے کروالی؟؟؟وہ تو سال ہونے کو آیا مر چکا ہے"

عباس نے نفی میں سر ہلایا تھا

"نہیں میرے دوست۔کہانی کا سب سے بڑا ٹوِسٹ تو یہی ہے۔۔۔۔۔۔وہ زندہ ہے۔۔۔۔۔۔"

باسط دھک سے رہ گیا تھا۔

"میں نے بہت پیچھا کیا اسکا۔شہر بدلا،جاب بدلی،سراغ لگائے۔۔۔۔۔دیر سے ہی سہی لیکن میں نے یہ پالیا ہے۔۔۔۔۔"

اسے مقصود بھائی کا فون آیا تھا۔

"عادل کو اٹیک آیا ہے۔ بڑی بری حالت ہے۔اسکے تائے چاچوں نے ساری حویلی جائیداد پہ قبضہ کر لیا ہے۔ میں کل ہو کر آیا ہوں، بڑی ہی خراب حالت ہے اسکی"

وہ زرار کے تھے۔

"وہ ماہ نور کا نام لیکر روتا رہتا ہے۔ ہر وقت اسی کو آوازیں دیتا رہتا ہے۔"

باسط سُن رہ گیا تھا

"تو نوری کو لیکر پنڈ آجا۔ مرتے ہوئے کی آخری خواہش پوری کر دینی چاہئیے پتر۔ وہ اس سے معافی مانگنا چاہتا ہے"

اس نے ناں کہہ دیا تھا

"اسکی حالت بمشکل سنبھلی ہے بھائی جی۔ میں نہیں چاہتا وہ پھر سے اپنی ذہنی حالت کھو بیٹھے۔ میں اسے وہاں نہیں لیکر جاؤں گا"

"تو کیا یہ چاہے گا کہ ساری زندگی وہ اپنے دامن پہ لگے داغ کے ساتھ جیتی رہے ؟؟؟؟"

وہ چپ رہ گیا تھا۔

"وہ معافی مانگ رہا ہے تو مطلب وہ گناہگار نہیں ہے۔یہ بات ان سب کے سامنے ثابت ہونے دو جن سب کے سامنے وہ مجرم ثابت ہوئی تھی"

وہ اسی بات پہ راضی ہو گیا تھا۔وہ بھی سچا ثابت ہونا ڈیزرو کرتی تھی۔

"کل ہم گاؤں جا رہے ہیں۔عادل کی بیماری کا تو تمہیں پتہ چل ہی گیا ہو گا۔ہو سکے تو تم بھی پہنچ جانا"

اس نے عباس کو میسج کیا تھا اور عباس نے ڈاکٹر زین کو

"میں جانتا ہوں تمہارے لے پالک بیٹے کی اصلیت کیا ہے ڈاکٹر۔اور تمہاری اصلیت کل سب کے سامنے آجائے گی"

ایک نیا دن اپنی سب رعنائیوں کے ساتھ طلوع ہو چکا تھا۔دسمبر کی پہلی پہلی تاریخیں تھیں اور ماحول کو چڑھتا تاپ ہوا کی ٹھنڈی پٹیوں سے اتر چکا تھا۔سورج بڑا اشرمایا ہوا سا مشرق کے آسمان پہ ٹنگا ہوا تھا۔

وہ نوری کا ہاتھ پکڑے اندر داخل ہوا تھا۔بڑے سے احاطے کے دائیں طرف بھینس

بندھی ہوئی تھی۔دو بکریاں اور ایک گدھا۔ایک آدمی چارا لا لا کر انکے سامنے ڈال رہا تھا۔سامنے بنے برآمدے میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔انہیں چارپائیوں میں سے ایک پر وہ لیٹا ہوا تھا۔اپنے زمانے کا فرعون جسے خدا نے اپنے قہر کے سمندر میں غرق کر دیا تھا۔

"مم۔۔۔میں نہیں۔۔۔۔وہ۔۔۔۔وہ جھوٹ بولتا ہے۔۔۔۔مم۔۔۔۔میں نئیں جاؤں گی۔۔۔۔۔وہ مارے گا۔۔۔۔وہ میرے پتر کو چھین لے گا۔۔۔۔۔میں نہیں۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نور اسے دیکھ کر بدک گئی تھی۔باسط نے مضبوطی سے اسکا ہاتھ دبایا اور اسے ساتھ لیئے اندر بڑھا

"میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔دیکھو تایا جی بھی ہیں،بھائی مقصود وغیرہ بھی۔سب یہیں ہیں۔وہ تمہیں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا اب"

وہ واقعی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

فالج سے اسکا چہرہ بائیں طرف کو ڈھلک چکا تھا۔منہ کے کونے سے رال بہتی گردن

تک جارہی تھی۔اسکاداہناں ہاتھ اور داہنی ٹانگ مکمل طور پہ مفلوج ہو چکی تھی۔

"نن۔۔۔۔۔۔نوری۔۔۔نن۔۔۔۔۔۔نن۔۔۔۔۔"

وہ اسے دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔

"مم۔۔۔۔۔معا۔۔۔۔۔معافی۔۔۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔معا۔۔۔۔نو۔۔۔۔۔

نور۔۔۔۔۔۔مم۔۔۔۔"

تایاجی،نور کے بھائی،کچھ گاؤں کے لوگ وہاں موجود تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"مم۔۔۔۔۔۔۔۔نے۔۔۔۔۔۔مم۔۔۔میں نے۔۔۔۔۔۔جج۔۔۔۔جھو۔۔۔۔۔

جھوٹ۔۔۔۔جھوٹ بولا۔۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔نے۔۔۔۔"

عباس دروازے میں ہی رک کے رہ گیا تھا۔

سامنے عادل اپنا مفلوج ہاتھ دوسرے ہاتھ سے جوڑے رو رو کر معافی مانگ رہا تھا۔

اسے وہ رات یاد آئی تھی۔

اس شخص کا طنطنہ۔۔۔۔وہ الزام۔۔۔۔وہ مار پیٹ۔۔۔۔وہ زخموں سے چور ماہ

نور۔۔۔۔وہ قہر۔۔۔۔

اسے وہ سب شدت سے یاد آیا تھا۔۔۔اور وہ سب یاد آیا تھا۔وہ سب جو وہ کبھی دوبارہ یاد کرنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔

وہ مئی جون کے سخت دن تھے۔

سورج کو پتہ نہیں کس پہ، کس بات کا غصہ تھا اور غصہ بھی ایسا کہ ٹھنڈا نہیں پڑتا تھا۔ صبح سویرے ہی ایسی لو چلتی تھی کہ جسم کا چمڑہ بھی پگھلتا جاتا تھا۔

ایسے ہی ایک دن ماہ نور کالج سے لوٹ رہی تھی۔روزانہ تو کالج کی بس اسے بس ٹاپ تک پک اینڈ ڈراپ دیتی تھی لیکن آج کالج میں کسی فنکشن کی وجہ سے وہ دیر سے فارغ ہوئی تھی تو بس جاچکی تھی۔اب اسی کوفت کا شکار وہ سِکر دوپہر میں جلتی بھنتی جارہی تھی۔رکشے ندارد تھے تھے

"چھ چھ بھائی ہیں میرے اور ساتواں وہ چاچی کا منڈا لیکن مجال ہے جو کسی ایک کو بھی میرا خیال ہو۔اکلوتی بہن گرمی میں خجل خوار ہوتی ہے اور ان سے یہ نہیں ہوتا کہ کالج چھوڑ آیا کریں اور واپس لے جایا کریں"

وہ بکتی جھکتی جارہی تھی جب وہ جیپ اسکے پاس رکی تھی۔ڈرائیونگ سیٹ کا شیشہ نیچے ہوا۔

ماہ نور نے دیکھا وہ عادل تھا۔

"کیاہوا؟؟؟آج پھر بس دغادے گئی؟؟؟"

وہ رکنا نہیں چاہتی تھی لیکن رک گئی۔

"چلو میں چھوڑ دوں"

اس نے نفی میں سر ہلادیا تھا۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی"

"ارے کیسے جاؤ گی۔ادھر بڑی سڑک پہ ناکہ لگاہوا ہے۔کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے لگیں گے کھلنے میں۔۔۔اتنی دیر کہاں رکو گی؟؟؟؟؟"

وہ تذبذب کا شکار ہوئی

"کیاہو گیا؟؟؟؟ایسے کیوں ڈر رہی ہو؟؟؟؟"

وہ مسکرایا تھا۔

"ہم پڑوسی ہی تو ہیں۔ تمہارا گاؤں اور میرا گاؤں دوساتھ ساتھ جڑے گھر نہیں ہیں کیا ؟؟؟؟اور وہ دور کی رشتے داری، اسکا کیا؟؟؟؟؟؟؟"

دلوں کی سب سے بڑی خوبی ہی شائد انکی خامی ہوتی ہے کہ وہ پتھر کے نہیں ہوتے ہیں۔ وہ پگھل ہی جایا کرتے ہیں۔

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد دوسری طرف سے جاکر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ چکی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگلے دن وہ کالج کے باہر موجود تھا۔

وہ باہر نکلی تو جیپ اسکے انتظار میں تھی۔

"چلو؟؟؟؟"

اس نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

"اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے عادل۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ کون ہیں، مجھے پتہ ہے

میرے ابو آپکے ابو کے اچھے دوست ہیں، آپ اکثر ہمارے گھر آتے رہتے ہیں ان کے ساتھ، ہمارے خاندان دور کہیں رشتے دار بھی ہیں لیکن اس سب کے باوجود میں یہ نہیں کر سکتی کہ روز روز کسی غیر مرد کے ساتھ اسکی گاڑیوں میں سیریں کرتی پھروں۔ نہیں"

وہ نہیں بیٹھی تھی۔ وہ اسے رکشہ روک کر اس میں بیٹھتا دیکھتا رہا تھا، کچھ سوچتا رہا تھا۔

وہ مہمان بنا بتائے آئے تھے۔

عادل کے والد چوہدری مقصود اور انکی بہن۔

بڑے آنگن میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پہ چاچی کے جہیز کی نئی سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ گوٹے کناری والے گاؤتکیے۔ میز پہ ٹھنڈے مشروب کے بھرے گلاس اور دوسرے لوازمات۔

"ماہ نور تیار ہو جا، بھائی جی تجھے بلا رہے ہیں"

وہ حیران ہوئی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں تیار ہوں، کس لیئے؟؟؟؟"

اماں نے اسکا پچھلی عید والا جوڑا نکالا۔چاچی اسکے لیئے جیولری نکالنے لگیں۔وہ ہلکا سا تیار ہو کر باہر آئی تھی۔

"ماشاءاللہ میری دھی رانی۔۔۔۔"

مقصود صاحب نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا اور اسکی مٹھی میں وہ نوٹ دبائے تھے۔

"رکھ لے دھی رانی رکھ لے۔۔۔شگون کے ہیں۔انہیں منع نہیں کرتے۔۔۔۔"

وہ حیران پریشان سب ہوتا دیکھتی رہی جب انکی بہن نے اسکی انگلی میں وہ انگوٹھی پہنائی تھی۔عادل مقصود کے نام کی انگوٹھی۔۔۔۔۔

اگلے دن وہ پھر سے کالج کے باہر تھا۔

"تم نے کہا تھا کہ کوئی رشتہ نہیں ہے، کیوں میں غیر مردوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھوں۔اب بتاؤ؟؟؟رشتہ تو بن گیا ہے،اب بھی غیر مرد ہوں؟؟؟اب بھی میری گاڑی میں بیٹھنا عیب ہے یا تمہارا حق ہے؟؟؟اب بولو کہ تم میری زمہ داری بن گئی ہو

یا نہیں ؟؟؟؟؟؟؟"

وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

جیسے اس شام اپنی انگلی میں پڑی وہ انگوٹھی دیکھتی رہی تھی۔

"منڈا دیکھا بھالا ہے۔ ساری زمین جائیداد حویلی اسکے نام ہی ہونی ہے۔ ساس ہے نہیں۔ نا بہن بھائی۔ راج کرے گی تو نوری"

وہ ماں باپ کی جتنی بھی لاڈلی ہوتی، اسکی شادی کا فیصلہ انہوں نے خود ہی کرنا تھا۔ وہ اس سے پوچھ بھی لیتے تو شائد وہ منع ناں کرتی۔

وہ اچھا خاصا تھا۔ شکل صورت بھی اچھی تھی۔ روپیہ پیسہ جائیداد گھر بار۔ اور کیا چاہیئے ہوتا ہے ؟؟؟؟؟

عزت ؟؟؟؟؟؟

وہ کرتا تو تھا اسکی۔۔۔۔۔

محبت ؟؟؟؟؟؟؟

وہ شائد کرنے لگی تھی اس سے۔۔۔۔۔

اور محبت کوئی واقعہ تو نہیں ہے جو ایک دم سے کسی روز پیش آجائے۔۔۔یہ تو ایک مسلسل عمل ہے۔کسی کا چاہنا،کسی کا اچھا لگنا ایک عرصے پہ محیط ہوا کرتا ہے۔یہ بھی ارتقاء کے عمل جیسا ہی ایک عمل ہے۔پہلے تم کچھ اور ہوتے ہو،پھر دھیرے دھیرے کچھ اور بنتے جاتے ہو تو یہ "کچھ اور" بن جانا محبت ہے۔۔۔۔۔

اس دن وہ فرنٹ سیٹ پہ آکر بیٹھی تو وہ گلاب کا پھول اسکی راہ دیکھ رہا تھا۔دینے والا بڑی آس سے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ پھول بڑے دنوں تک اسکا کمرہ اور حواس مہکاتا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اسے کالج سے لیتا اور اسکے گاؤں کی سرحد تک چھوڑ جاتا۔صبح بھائی اسے بس سٹاپ تک چھوڑتے اور وہاں سے وہ کالج لے جاتا تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے سفر۔۔۔۔میٹھی میٹھی باتیں۔۔۔۔وہ شرمانا۔۔۔۔۔

مسکراہٹیں۔۔۔۔۔وہ روٹھنا منانا۔۔۔۔۔پھول۔۔۔۔۔خوشبوئیں۔۔۔۔وہ زرا زرا سے تحفے۔۔۔۔۔وہ گلابی سی محبت۔۔۔۔۔

سب ٹھیک ہی تھا۔ کم از کم اس دن تک جب۔۔۔۔۔۔

وہ معمول کی طرح کالج سے واپسی پہ اسکی جیپ میں بیٹھی تھی۔ وہ روز جیسا ہی سفر تھا۔ غیر معمولی یہ تھا کہ وہ بہت چپ چپ تھا۔ نوری نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اسکی آنکھیں بھی لال لال تھیں۔ گاڑی میں وہ عجیب سے بو بھی بھری ہوئی تھی۔

شہر سے باہر والی سڑک تک سب ٹھیک رہا، پھر اس نے جیپ کو اس کچے راستے پہ ڈال لیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ کیا ہے عادل؟؟؟؟؟"

"شارٹ کٹ ہے۔ جلدی پہنچ جائیں"

"کہاں؟؟؟؟ مجھے پتہ ہے یہ راستہ گھر کو نہیں جاتا"

"گھر کو ہی جاتا ہے"

"عادل گاڑی روکیں"

وہ دبے دبے لہجے میں بولی تھی۔ وہ جیپ روک چکا تھا۔ اب کے اس نے ماہ نور کو دیکھا تو

اسکی نظریں بدلی ہوئی تھیں۔اب کہ وہ اسے پہچان نہیں سکی تھی۔وہ،وہ شخص نہیں تھا کہ جسکے لیئے وہ دل ہار بیٹھی تھی۔

عادل نے اسکی کلائی پکڑی اور اس پہ جھکا تھا۔وہ تڑپ کے پیچھے ہٹی تھی۔

"کیا ہوا؟؟؟؟؟"

اسکی سانسوں سے بدبو کے بھبھکے اٹھ رہے تھے۔وہ یقیناً نشے میں تھا۔نوری نے جلدی سے دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی تھی۔وہ بھی اسکے پیچھے ہی جیپ سے اترا تھا۔

"ایسے نہیں کرو ماہ نور۔۔۔میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔۔۔ہم ویسے بھی تو ایک دوسرے کے لیئے ہی ہیں ناں۔۔۔۔ہم محبت کرتے ہیں ایک دوسرے سے۔۔۔۔۔"

وہ چلنے لگی۔وہ منتیں کرنے لگا۔وہ رکی نہیں۔اس نے اسکی کلائی پکڑ لی تھی۔

"چلو گاڑی میں"

"ہاتھ چھوڑیں میرا"

"اتنی بے رحمی مت دکھاؤ"

"عادل ہاتھ چھوڑیں میرا"

وہ بنا جواب دیئے اسے گھسیٹتا ہوا جیپ کی طرف لے جا رہا تھا۔ تبھی وہ مدد کے لیئے چلانے لگی تھی۔

"کوئی ہے۔۔۔۔کوئی ہے۔۔۔ہیلپ۔۔۔۔کوئی مدد کرو۔۔۔"

سارے میں سناٹا تھا۔ وہ سنسان سا تو راستہ تھا۔ اتنی دوپہر کو تھکے ماندے کسان بھی آرام کی غرض سے گھروں کو جا چکے ہوتے تھے۔

"کوئی ہے۔۔۔"

عادل نے اسکے منہ پہ ہاتھ رکھا تھا۔ تبھی اس نے موٹر سائیکل کی آواز سنی تھی۔ عادل اسکے منہ پہ ہاتھ رکھے، اسے گھسیٹتا ہوا جیپ تک لے جا رہا تھا جب اس نے دور سے اسے دوڑتے آتے دیکھا تھا۔

وہ جو ہمیشہ اسکے لیئے خدا کی طرف سے مدد کے لیئے بھیجا جاتا تھا۔

"عباس پتر"

اس چھوٹے سے برآمدے میں فرش پہ چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پہ وہ باپ بیٹا بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

"پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے ناں تیری؟؟؟"

"جی ابو سب ٹھیک ہے۔"

"چل چنگا ہے۔تو بھی جلدی سے پڑھ لکھ کر کسی طرف لگ جائے تو میں بھی یہ ملازمت چھوڑ دوں۔اب نہیں ہوتی مجھ سے ڈرائیوری"

وہ عادل کے والد کے ڈرائیور تھے۔پچھلے ستائیس سال سے وہ انکی حویلی پہ ہی کام کر رہے تھے۔

"بس ایک سمیسٹر اور ہے ابو۔چھ مہینے اور ڈگری پوری۔پھر آگے میں جاب کے ساتھ ساتھ پڑھتا رہوں گا"

وہ بتانے لگا تھا

"ایک دو دوست ہیں میرے۔ادھر شہر میں انکی تنظیمیں ہیں،این جی اوز ہیں،غریبوں کے لیئے کام کرتے ہیں۔میں نے سکول کی بات کی ہے۔اسکا کام بھی ہو جائے گا ان

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شاءاللہ"

"ان شاءاللہ"

وہ فوراً بولے تھے۔

"میں نے وہ زمین اسی لئیے سنبھال کر رکھی ہے۔کسی تنگی میں اسے نہیں بیچا۔اس پہ میں سکول ہی بنوانا چاہتا ہوں۔دیکھ نا کتنی مشکل ہوتی ہے بچوں بچیوں کو شہر آنے جانے کی۔ادھر پنڈ میں سکول ہو گا تو بڑی آسانی ہو جائے گی"

وہ سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

ابھی میں نے کہا کہ محبت ایک لمحے کا نام نہیں ہے، یہ تو ایک دورانیے کا کام ہے۔اسکی ابتداء عباس کے لئیے اس دن ہوئی تھی جب وہ لائبریری سے نکل رہا تھا۔

دو گھنٹے کی مغزماری کے بعد اس نے وہ اسائنمنٹ بنائی تھی۔ساری جان لگا کر اسکی تزئین وآرائش کی تھی۔

"چلو اب جا کر اسے سر شوکت کے منہ پہ مار کے آتا ہوں"

اس نے سوچا اور وہ ہاتھ میں لئیے باہر نکلا جب تیزی سے اندر آتی ماہ نور سے ٹکرایا۔ گیلے فرش پہ دور تک اسکے اسائنمنٹ کے صفحات بکھر گئے تھے۔ نیلی روشنائی سے لکھے لفظ کیڑے مکوڑوں کی طرح یہاں وہاں رینگنے لگے تھے۔

"اٹس اوکے۔۔۔۔ مس اٹھالوں گا"

اس کا دل تق چاہ رہا تھا کہ اپنی محنت کے یوں ملیامیٹ ہونے پہ دھاڑیں مار مار کے روئے۔

"اٹس اوکے ؟؟؟؟؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ غرائی تھی

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ؟؟؟اندھے بیل کی طرح ڈکارتے پھر رہے ہو، آنکھیں ہیں یا نمولیاں ؟؟؟ نظر نہیں آتا؟؟؟؟ کہنی توڑدی میری"

وہ واہی تباہی بکتی اندر چلی گئی۔ وہ باہر سے ہنستا، اندر سے روتا، فرش پہ بکھرے بھیگے کاغذ چنتا، اسکی سنتا رہا، اسے دیکھتا رہا۔۔۔۔

یہ وہ لمحہ تھا؟؟؟؟؟

ہاں شائد۔۔۔۔

دل نے اسے کہا چپ۔۔۔خاموش۔۔۔۔جو وہ کہتی ہے سنتے جاؤ۔۔۔اسکا حق ہے کہ سب کو ڈانٹے۔۔۔سب کا فرض ہے کہ اسکی ڈانٹ سنو۔۔۔۔بے قصور ہو بھی تو شرمندہ ہو جاؤ۔۔۔بس چپ۔۔۔اسکی سنو۔۔۔سنتے رہو۔۔۔۔

وہ بولتی رہتی ناں۔۔۔وہ سن تو رہا تھا۔۔۔

اگلے دو گھنٹے بعد جب وہ اسائنمنٹ دوبارہ سے بنا کر لائبریری سے نکل رہا تھا تو اسکا دل چاہا کہ وہ اس سے پھر ٹکرا جائے۔پھر سے اسکی محنت غارت چلی جائے۔وہ پھر سے اس پہ چلاتی چلی جائے۔۔۔۔۔

وہ اسے کالج میں اکثر دیکھتا تھا۔

وہ اچھی لگنے لگی تھی۔وہ تھی ہی اتنی اچھی کہ کسی کو بھی اچھی لگ سکتی تھی۔وہ اسے دیکھتا تھا،اسے چاہتا تھا،اس سے محبت کرنے لگا تھا لیکن کبھی اسکی کھوج میں نہیں نکلا تھا۔کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ وہ ہے کون،کہاں سے ہے،خاندان،

گھر۔۔۔کچھ بھی نہیں۔ضرورت ہی نہیں تھی۔اسے کونسا کاروبار کرنے تھے کہ ہر چیز جانچ پرکھ کر دیکھتا کہ گھاٹا ناہو جائے۔محبت تھی،وہ ان سب چیزوں سے پرے تھی۔

یہ وہ لوفروں والی محبت نہیں تھی کہ معشوقہ کے رکشے کے پیچھے پیچھے اسکے گھر تک پہنچ گئے۔ناں،ارے لعنت ہے ایسی تعاقبانہ محبت پہ۔

اچھا تو بس یہ سب یونہی جاری تھا اور یونہی رہتا اگر اس دن۔۔۔۔۔۔

وہ بائیک پہ ہی کالج آتا جاتا تھا۔بڑی سڑک سے زرا آگے وہ کچا سا راستہ شارٹ کٹ تھا۔اس پہ زیادہ لوگ آتے جاتے نہیں تھے کہ وہ دھول اڑاتا،ٹیڑھا میڑھا راستہ تھا لیکن وہ اسی سے آتا جاتا تھا۔اس دن بھی اس نے معمول کے مطابق بائیک اس راستے پہ موڑی تو اس نے دیکھا۔

وہ جیپ کھڑی تھی۔وہ آدمی ایک لڑکی کو گھسیٹ رہا تھا اور وہ چلا رہی تھی۔

وہ تو انسانیت کے ناطے اسکی مدد کو آگے بڑھا تھا،وہ دل کا معاملہ تھا،یہ تو بعد میں پتہ چلا تھا۔

ماہ نور کھڑی تھر تھر کانپتی رہی تھی۔اس نے مار مار کے عادل کا سر پھاڑ دیا تھا۔

"چلو۔۔۔۔۔۔"

وہ اسکے ساتھ بھی نہیں گئی تھی۔وہیں بڑی سڑک پہ رکشہ مل گیا تھا۔

۔۔

وہ کئی دن بخار میں پھنکنے کے بعد کالج گئی تھی۔گھر میں اس نے کسی کو کچھ نہیں ں بتایا تھااور یہ اسکی سنگین غلطی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ لڑکیوں کی سنگین غلطی ہی ہوا کرتی ہے جب وہ ہر بڑی سے بڑی بات اپنی شرم اور اپنی کمزوری کی وجہ سے چھپا جاتی ہیں۔ہر طرح کی ہراسمنٹ،خود پہ کسی کی گندی نظریں،کسی کا برا برتاؤ،کسی کی بے باک حرکتیں،وہ چھپا جاتی ہیں کہ انکی سنے گا کون۔۔۔سن بھی لے تو کچھ کرے گا کون۔۔۔۔

ارے کوئی بھی نا سنے،کوئی بھی کچھ نا کرے لیکن تم تو اپنی کہہ دو،تم تو اپنی کر گزرو۔۔۔۔۔۔

اتنے دنوں کی غیر حاظری کے بعد وہ کالج آئی تو اس نے عباس کو دیکھا۔اسکے چہرے پہ

چوٹوں کے نشان تھے۔بازو بھی گلے سے لٹکا ہوا تھا۔اسے دیکھا تو وہ نظریں چُرا گئی تھی۔

"تم نے کیا کیا اسکے ساتھ؟؟؟؟"

کالج کے بعد اسکی جیپ دکھائی دی تو وہ سیدھی اسکی طرف آئی اور غصے سے اسے دیکھا

"تم نے مار پیٹ کی اسکے ساتھ؟؟؟؟"

"وہ شکر کرے صرف مار پیٹ کی۔۔۔تمہارے اور میرے بیچ جو بھی آئے گا،میں اسے جان سے مار دوں گا"

"تمہارے اور میرے بیچ وہ نہیں بلکہ تمہاری بدنیتی آئی تھی عادل۔جاؤ اس کو جان سے مار دو"

عادل ہنس پڑا

"غصے میں اور اچھی لگتی ہو۔۔۔اتنی اچھی ہو تبھی تو تمہیں اپنا بنانے کا فیصلہ کیا تھا میں نے"

نور نے اسے قہر بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

"لیکن میں نے اب اپنا فیصلہ بدل لیا ہے۔میں اب تمہاری نہیں بننا چاہتی"

وہ زرار کی اور انگلی سے وہ چھلہ نکال کے اسکے منہ پہ دے مارا تھا۔ارد گرد آتے جاتے سٹوڈنٹس چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔اتنے لوگوں کے سامنے کی اس تذلیل پہ وہ لال پڑتا چلا گیا تھا۔

"میں آج ہی بات کروں گی ابا سے کہ مجھے یہ رشتہ نہیں منظور"

وہ کہہ کر آگے بڑھی تھی جب وہ بولا تھا

"اور میں بھی بات کروں گا ان سے کہ انکی لڑکی کا کریکٹر خراب ہے۔وہ کالج میں کسی لڑکے کے چکر میں ہے۔سوچو ان کے دل پہ کیا گزرے گی جب میں اس سارے واقعے میں اپنے کردار کو عباس کے کردار سے بدل کر انہیں بتاؤں گا۔۔۔۔"

وہ لرز کر رہ گئی تھی۔

اب اسے پتہ چلا تھا کہ وہ کیسی مصیبت میں پھنس چکی تھی۔اسکے سامنے کنواں اور پیچھے کھائی تھی۔وہ جو بھی چنتی،اسکی اپنی موت طے تھی۔

عادل کی دھمکی سے ڈر کر وہ ایک بار پھر سے چپ ہو گئی تھی۔

"گھر والوں کو میرے خلاف اکسانے کی کوشش بھی مت کرنا ماہ نور۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کتنا سفاک آدمی ہوں۔ میں تمہارے کردار کو مسخ بھی کر دوں گا تو بھی مجھے رتی برابر فرق نہیں پڑے گا"

ہاں لیکن اسے فرق ضرور پڑتا۔ بہت فرق پڑتا۔۔۔۔

اسے اس سب سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہر راستہ ایک بند گلی تھا جسکے اختتام پہ عادل مقصود کھڑا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سوائے اس ایک راستے کے۔۔۔۔

جس کا انت عباس پہ ہوتا تھا۔

اپنی عزتِ نفس پہ پیر رکھتی وہ اسکے پاس آئی تھی۔

"مجھے اس جانور سے بچالو۔ تمہیں اسکا واسطہ ہے جسکے واسطے تم زندگی پہ موت کو بھی چن سکتے ہو۔ پلیز۔۔۔۔ میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔۔۔۔"

وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ محبوب کچھ مانگے تو انکار کی گنجائش رہتی ہے کیا؟؟؟؟

"میرے گھر رشتہ بھیجو۔ عادل کی دفعہ مجھ سے مرضی نہیں پوچھی گئی تھی۔اس دفعہ میں اپنے منہ سے کہہ دوں گی کہ تم میری مرضی ہو۔ تم رشتہ بھیج دو، انہیں کہو کہ مجھ سے محبت کرتے ہو، مجھے خوش رکھوگے، میں کہوں گی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہارے ساتھ خوش رہوں گی"

وہ خاموش کھڑا سنتا رہا۔ پھر ہولے سے مسکرا دیا۔

وہ جھوٹ بول دو کہ مجھ سے محبت کرتے ہو۔ وہ تو سچ بولنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔

وہ اپنے ماں باپ کو لیکر رشتے کے لیئے ماہ نور کی حویلی پہنچا تو وہاں ماہ نور اور عادل کے نکاح کی تاریخ بھی طے ہو چکی تھی۔

"میں اس سے شادی نہیں کروں گی چاچی۔ میں یہ شادی نہیں کروں گی"

وہ ان کے سامنے رو پڑی تھی۔

"وہ اچھا آدمی نہیں ہے چاچی۔ اسکی نظر گندی ہے۔اسکی فطرت میں بدنیتی ہے"

اس نے سب کچھ انہیں بتادیا لیکن اب شائد دیر ہو چکی تھی۔

"میں زبان دے چکا ہوں انہیں۔۔۔چھ ماہ کی منگنی ہے، سارے پنڈ کو پتہ ہے۔اب کتنی تھو تھو ہو گی ہماری۔ہر گز نہیں۔"

منظر حسین نے صاف منع کر دیا تھا۔عباس کا رشتہ ٹھکرا دیا گیا تھا۔ایک ہفتے بعد اسکا عادل سے نکاح کر دیا گیا تھا۔وہ اسکے سنگ وداع کر دی گئی تھی۔

کسی کا خبطی ہو جانا، کسی کا جنونی بن جانا، کسی کا اپنے حواس کھو بیٹھنا، کسی کا پاگل پن کا شکار بن جانا کسی ایک لمحے کی کیفیت کا نام نہیں ہے۔یہ تو ایک پورا عمل ہے جو پیچھے سے چلا آرہا ہوتا ہے۔

وہ یونہی کملی نہیں ہو گئی تھی۔

شادی کے بعد عادل کے ساتھ گزارے وہ تیرہ ماہ کافی تھے اسے پاگل کرنے کے لیئے۔

اس شخص نے کوئی موقع نہیں چھوڑا تھا اسے ذہنی لا ور جسمانی لحاظ سے ٹارچر کرنے کا۔

وہ ہر وقت ہر لمحہ اسے کچو کے لگاتا رہتا اور جتاتا رہتا کہ اس نے اسکی منگیتر ہوتے ہوئے

بھی اسے دھتکار دیا تھا۔ وہ ہر ہر پل اسے ذلیل کرتا تھا، اسے دھتکارتا تھا، مار پیٹ، اور اسکی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی۔

اسکے میکے جانے پہ روک ٹوک ہوتی تھی۔ اسکا گھر سے نکلنا منع تھا۔ اسکے سسر تو شادی کے دو ہفتے بعد ہی فوت ہو گئے تھے۔ اب وہ تھی اور وہ قید جیسی حویلی۔

شادی کے پانچویں ہفتے اسے پتہ چلا کہ وہ پریگننٹ ہے۔ اسے لگا کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن یہ اسکی خام خیالی تھی۔ اسے اسکی پرواہ تھی اور نا ہی ہونے والے بچے کی۔

اسے شہر میں ہی جاب مل گئی تھی۔

وہ ساتھ ساتھ آگے پڑھنے لگا تھا۔ وہیں کالج اور آفس کے دوستوں کے توسط سے اسے وہ فلاحی تنظیم والے مل گئے تھے۔ گاؤں میں سکول کا کام شروع ہو گیا تھا۔ وہ سب اسکی نگرانی میں ہی تھا۔ اب وہ ہر ویک اینڈ پہ چکر لگاتا تھا۔

ابو نے ملازمت چھوڑنی چاہی تو عادل نے نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔

"آپ کا ایک کروڑ کا لون ہے"

وہ دھک سے رہ گ ئے

"میں نے تو ساری زندگی کسی سے ایک روپیہ بھی قرض نہیں لیا۔آپکو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے سائیں"

اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔اس ویک اینڈ عباس ایااور سارا واقعہ پتہ چلنے پہ غصہ ہوا۔بپھرا ہوا عادل کے پاس پہنچا

"میرے باپ نے کب اور کہاں ادھار لیا؟؟؟کاغذات دکھاؤ۔"

"کاغذات نہیں ہیں۔یہ میرے والد کے ساتھ منہ زبانی ہوا تھا"

"بھاڑ میں گیا معاہدہ اور تمہارا ادھار۔آئندہ میرے باپ کو ٹارچر کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا"

اس نے اسے بہت ہلکے میں لیا تھا۔اسے لگا وہ سیدھا سادہ ڈرائیور اسکے رعب میں آ جائے گا لیکن یہاں تو بساط ہی الٹ گئی تھی۔عباس سے تو اسکی پرانی دشمنی تھی۔اسے پتہ نہیں تھا کہ وہ اسکے ڈرائیور کا بیٹا ہے۔اب پتہ چل گیا تھا تو وہ اس پہ قہر بن کر ٹوٹ

جانا چاہتا تھا۔

اس دن عباس کو شہر میں فون گیا تھا۔

"عادل اور اسکے مسٹنڈے ملازموں نے سکول پہ حملہ کیا ہے۔ بہت بھاری توڑ پھوڑ کی ہے۔ بہت زیادہ نقصان ہو گیا ہے عادل"

ارد گرد لوگوں نے ویڈیوز بنائی تھیں۔ انہوں نے خود شوخی میں بنائی تھیں۔ ہنستے جا رہے تھے اور روڑ پھوڑ کرتے جا رہے تھے۔

عباس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

اسکے دوست کے انکل پولیس میں اونچی پوسٹ پہ تھے۔ چار گھنٹوں میں وہ پولیس کے بھرے ڈالے کے ساتھ اسکے ڈیرے پہ تھا۔

"جس حویلی اور جائیداد پہ تو اکڑتا ہے ناں عادل، وہ بس اسی گاؤں کی سرحد تک ہے۔ اس کے ادھر تیری حیثیت کتے جیسی ہی ہے"

پورے پنڈ کے سامنے وہ اسے ہتھکڑی لگا کر، پولیس کے ڈالے میں بھر کے لے گئے تھے۔

چار دن بعد وہ ضمانت پہ رہا تو ہو گیا تھا لیکن اسے این.جی.او والوں کو بھاری حرجانہ ادا کرنا پڑا تھا۔

"تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ان ہی سب لوگوں کے سامنے تیرا منہ کالا کروں گا عباس۔اسکے لئیے بھلے مجھے جس بھی حد تک جانا پڑے"

چار دن بعد نوری نے بیٹے کو جنم دیا تھا۔

وہ ا میچیور لاغر سا بچہ تھا۔

اس رات جب حویلی روشنیوں اور رنگوں میں ڈوبی ہوئی تھی،عباس کا گھر بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔

لوگ پانی کی بھری بالٹیاں لئیے اسے بجھانے کی کوششوں میں تھے۔اندر چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔

ماں باپ کی کوئلہ ہو چکی لاشوں کو دیکھ کر وہ کئی دن تک چیخیں مار مار کے روتا رہا تھا۔وہ

کسی کے سنبھالے سے بھی نہیں سنبھلتا تھا۔وہ درد کسی کے بھی بانٹنے سے کم نہیں ہوتا تھا۔

اسکا جی ہر شے سے اچاٹ ہو چکا تھا۔

گھر۔۔۔جاب۔۔۔پڑھائی۔۔۔کیرئیر۔۔۔سکول۔۔۔

سب کچھ وہ فراموش کر چکا تھا۔اسے یقین تھا کہ وہ عادل کا ہی کام تھا۔اس نے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اسکے پیچھے وہی تھا۔

کئی دن تک وہ ماتم مناتا رہا۔

اور پھر ہولے ہولے زخم بھرنے لگے۔وہ اس سب کو چھوڑ کر شہر چلا گیا۔گاؤں میں سکول شروع ہوا تو انہوں نے وہ اسکی سرپرستی میں ہی دیا۔وہ کبھی کبھار چکر لگا لیا کرتا تھا۔

جیسے اس رات لگایا تھا جب۔۔۔۔۔۔

ماہ نور میں تو اسکی دلچسپی اسی روز ختم ہو گئی تھی جب اس نے سب کے سامنے اسکی بے

عزتی کی تھی۔جب اس نے سب کے سامنے اسکی انگوٹھی اسکے منہ پہ دے ماری تھی۔

مرد اس عورت سے کیسے محبت کر سکتا ہے جس نے اسے دھتکار دیا ہو۔کوئی عورت ایسے مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے جو اسکے دل سے اتر چکا ہو۔

لیکن وہ دونوں ساتھ تھے۔

وہ اسکی ضد تھا اور وہ اسکی مجبوری۔۔۔۔

اب اسکے حواسوں پہ کوئی اور ضد بنی چھانے لگی تھی۔وہ اسکے پیار میں ڈوبنے لگا تھا۔وہ اسے اپنانے کے لیئے ہر حد تک جانے کو تیار تھا۔

"اپنی بیوی کو چھوڑنا ہوگا اور وہ بچہ بھی"

عورت ہی عورت کی دشمن ہے۔

لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔وہ یونہی بلا وجہ اسے چھوڑتا تو اسکی اپنی بھی تھو تھو ہوتی۔اور تبھی اس نے اس وہ آخری چال سوچی تھی۔

وہ آخری تیر جس سے وہ دو شکار کر سکتا تھا۔اور اسکے لیئے ایک شخص تھا جو اسکی مدد کر سکتا تھا۔

سورج کی سنہری کرنیں اور ایک دوجے میں ضم ہو کر ایک باریک غلاف بن کر، ہر شے ڈھانپ چکی تھیں۔

اس احاطے میں بندھی بھینس ڈکار رہی تھی۔ بکریاں چارے کی کھرلی الٹا کر اس پہ چڑھی اپنی مستیوں میں مصروف تھیں۔

برآمدے میں چارپائی پہ لیٹے عادل کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اسکے ہاتھ مسلسل معافی کے انداز سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک چارپائی پہ منظر حسین سر جھکائے افسردہ سے بیٹھے تھے۔ باسط نوری کا ہاتھ پکڑے وہیں کرسی ایک طرف چارپائی پہ بیٹھا ہوا تھا۔ باہر ستون کے ساتھ، انکی طرف پشت کیئے عباس ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

تبھی بیرونی دروازہ کھلا تھا۔

باسط نے چونک کر دیکھا تھا۔ کھلے دروازے میں ڈاکٹر زین کھڑے تھے۔

وہ بڑی بھیانک رات تھی۔

اسکی سپاہیوں میں سازش گُھلی ہوئی تھی۔وہ سازش جو حویلی کے مہمان خانے میں ان دو نفوس نے رچی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب آپ تو جانتے ہیں مجھے اچھی طرح۔ کتنی فیورز دی ہیں میں نے آپکو۔ کتنے کیس اس گاؤں سے ہی پہنچائیں ہیں میں نے آپکے پاس جن سے علاج کی مد میں آپ نے لاکھوں کمائے ہیں۔اب اپکو میرے لئیے یہ کام کرنا ہو گا"

ڈاکٹر زین نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"یہ بڑا کام ہے سائیں اور خطرناک بھی۔اسکی قیمت بھی بڑی ہو گی"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ہنسا تھا

"قیمت بولیں ڈاکٹر صاحب۔کام میری مرضی کا،پیسے آپکی مرضی کے۔۔۔۔۔"

منظر بدلا تھا۔

عباس اپنے گھر کے صحن میں سویا پڑا تھا۔

وہ نقاب پوش آہستگی سے اندر کودا اور ہولے ہولے چلتا اسکی طرف بڑھا تھا۔اس نے احتیاط سے اسکے بالوں کا ایک حصہ کاٹا تھا۔

پھر منظر بدلا تھا۔

وہ غلط رپورٹس۔۔۔۔حویلی کا مہمان خانہ۔۔۔۔وہ رات۔۔۔۔وہ الزام تراشی۔۔۔۔

مار پیٹ۔۔۔۔ماہ نور کا نکالا جانا۔۔۔۔

اگلا منظر سامنے تھا۔

عباس بارش میں بھیگی، زخموں سے چور نوری کو گاڑی تک لے جارہا تھا۔عادل نے اپنی حویلی کے اوپری منزل پہ بنے کمرے سے وہ منظر دیکھا تھااور شیطانی ہنسا تھا۔اس نے جیب سے فون نکالااور نوری کے بھائی کو فون کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

منظر بدلا تھا۔

عباس کا گھر۔۔۔۔مار پیٹ۔۔۔۔طوفان۔۔۔۔نور کو طلاق۔۔۔۔ایک تیر سے دو شکار۔۔۔۔

پھر سے منظر بدلا تھا۔

"وہ اپکا بچہ چوہدری صاحب۔اگر جو کسی نے اسکا دوبارہ ڈی این اے ٹیسٹ کروالیا تو آپ پکڑے جائیں گے۔اسکا یہی حل ہے کہ بچے کو غائب کردیں"

"وہ کیسے؟؟؟"

ڈاکٹر زین نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"اسکی موت کا ڈرامہ رچا کر۔بچہ مجھے دیدیں۔میں اسے اپنی اولاد کی طرح پالوں گا۔ آپکو تو ویسے بھی اسکی ضرورت نہیں ہے"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

پھر سے منظر بدلا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مرتضیٰ کے جیسا ہو بہو وہ پتلا ڈاکٹر زین نے ہی تیار کروایا تھا۔اسکا موت کی افواہ پھیلانا۔۔۔۔اسے بنا بتائے دفن کر دینا۔۔۔جھوٹی قبر بنانا۔۔۔

منظر پھر سے بدلا تھا۔

عادل خوشی خوشی اپنی محبوبہ کے در پہ پہنچا تھا۔وہاں دروازے پہ لگا تالا اسکا منہ چڑا رہا تھا۔

"وہ تو جی یہ گھر چھوڑ کر جا چکی ہے"

کسی راہگیر نے بتایا تھا۔

وہ خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا تھا۔۔۔

ایک نیا دن طلوع ہو چکا تھا۔

سورج پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔نیلے اسمان میں زرد سی روشنیاں گُھلی ہوئی تھیں۔وہ بوڑھا سا آدمی احاطے میں ایک طرف بندھی بھینس کا دودھ دوہنے میں مصروف تھا۔وہ لڑکی جو عادل کی بیوی تھی،اب جھاڑو لیئے کچے صحن کی صفائی کر رہی تھی۔

برآمدے میں سب خاموش بیٹھے تھے۔

ڈاکٹر زین کا سر جھکا ہوا تھا۔وہ کسی سے نظریں نہیں ملا پا رہے تھے۔لیکن یہ بھی سچ تھا کہ کوئی انہیں دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔انکی تو باری ہی نہیں آ رہی تھی۔ابھی تو عادل مقصود ہی کٹہرے میں تھا۔

"مم۔۔۔۔۔۔۔مجھے معاف۔۔۔۔۔۔معاف۔۔۔۔۔نن۔۔۔۔نوری۔۔۔
مجھے۔۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔"

وہ باسط کے ساتھ بیٹھی یک ٹِک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اسکی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔اسکا سارا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔بنا کچھ کہے،بنا کچھ بھی جتائے،بنا چیخے چلائے،وہ بس بے آواز روتی جارہی تھی۔

"مجھے معاف۔۔۔۔معاف کردے۔۔۔۔معاف۔۔۔۔۔"

اسکے لئیے کوئی معافی تھی؟اس نے ایک ماں کا تماشہ بنادیا تھا،اس کے لئیے کوئی معافی تھی؟؟لیکن کیا اسکے لئیے کوئی سزا بھی کافی تھی؟؟؟جو اسے مل چکی تھی،کیا واقعی وہ کافی تھی؟؟؟؟؟یا اس کے لئیے اس سے بھی بڑی کوئی سزا ہوتی؟؟؟؟؟؟؟

وہ بچوں کی طرح ہاتھ باندھے رو رہا تھا۔مسلسل جڑے ہاتھ،کانپتا لرزتا وجود،ٹیڑھا منہ،منہ سے بہتی رال۔۔۔۔وہ دنیا کے لئیے عبرت تھا۔وہ خدا کی زمین پہ چالیں چلنے والوں کے لئیے عبرت تھا۔وہ ہر متکبر کے لئیے،ہر ظالم کے لئیے عبرت تھا۔

"مجھے معاف کردے۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔میں بڑی تکلیف۔۔۔۔تکلیف میں۔۔۔۔ہوں۔۔۔۔ن۔۔۔۔نور۔۔۔۔۔نوری۔۔۔۔۔م۔۔۔معاف۔۔۔۔۔"

نوری اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔سب نے اسے حیرانی سے دیکھا تھا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔۔۔۔مجھے میرے گھر جانا ہے۔۔۔۔مجھے گھر۔۔۔۔۔۔"

وہ کہتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیوں تک پہنچی تھی۔

"نوری۔۔۔۔مجھے معاف۔۔۔۔۔"

"معاف کیا۔۔۔۔۔۔"

وہ دو لفظ۔۔۔۔بس وہ دو لفظ۔۔۔۔

وہ اسکے اتنے سارے ظلم اور ستم اور بس دو لفظ۔۔۔اسکی ہر ہر سازش پہ، اسکے دیئے ہر زخم پہ، ہر تکلیف پہ، بس دو لفظ۔۔۔۔

"ایسے نہیں۔۔۔۔۔مم۔۔۔۔مجھے مار۔۔۔۔مجھے مار۔۔۔ایسے نہیں۔۔۔۔مجھے گالیاں دے۔۔۔۔۔مجھے کتوں کے آگے۔۔۔۔۔مجھے رول۔۔۔۔۔ایسے نہیں۔۔۔۔ نوری۔۔۔۔ایسے نہیں۔۔۔۔"

وہ رکی نہیں تھی۔

برآمدے کی سیڑھیاں اتر گئی تھی۔

سرون سے ٹیک لگا کر بیٹھے عباس نے سر گھٹنوں میں دے لیا تھا۔وہ اسے یوں دیکھنا بھی

نہیں چاہتا تھا۔دو کوئلہ ہو چکی لاشوں پہ اس نے صبر کر لیا تھا لیکن اسے دیکھ کر وہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔اس نے آنکھیں کس کے میچ لی تھیں۔

وہ اسے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔وہ تو سیدھی دروازے کی طرف چلتی جارہی تھی۔ باسط اسکے پیچھے ہی تھا جب وہ لڑکھڑائی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ اسے سنبھالتا،وہ پورے قد سے زمین پہ آ گری تھی۔

"میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی فائزہ۔۔۔میں۔۔۔میں کیسے رہ سکتی ہوں کہ وہ تو میری سانسوں کے ساتھ سارے وجود میں حلول کر گیا ہے۔۔۔وہ۔۔۔وہ ہی تو رہ گیا ہے اب مجھ میں۔۔۔۔دیکھو۔۔۔۔دیکھو مجھے۔۔۔۔"

فائزہ نے اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھا تھا۔وہ دنوں میں سوکھ کے کانٹا ہو چکی تھی۔آنکھوں کے نیچے حلقے سے نمودار ہونے لگے تھے۔بے رنگ آنکھیں اور بے پرواہ سا حلیہ۔

باسط جب سے گاؤں گیا تھا،وہ ایسے ہی بے چین تھی۔ہر وقت بس اسی کو یاد کرنا،اسی

کی باتیں کرتے رہنا۔۔۔۔۔

"میں اسے کہوں گی مجھے اپنا لے۔۔۔ بھلے اسے نا چھوڑے۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔۔۔ میں اسکی ملازمہ بن کر رہ لوں گی۔۔۔ وہیں ایک کونے میں پڑی رہوں گی۔۔۔ بس وہ مجھے نا چھوڑے۔۔۔۔ وہ۔۔۔"

"ساریہ سنبھالو خود کو یار"

فائزہ نے رسان سے کہا تھا۔ وہ اسکی سن ہی نہیں رہی تھی۔

"وہ مجھے نہیں چھوڑے گا ناں؟؟؟؟ وہ کہتا ہے میں اسکی زندگی ہوں۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا"

"ساریہ ہوش کرو"

"وہ کہہ کر گیا تھا کہ میرے لیئے لوٹ کر آئے گا۔ تم دیکھنا وہ آئے گا۔ وہ وعدہ خلاف نہیں ہے۔ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا"

فائزہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"بس کرو۔ کیوں اپنی دشمن بن رہی ہو۔ وہ آخری انسان ہے کیا اس دنیا کا؟؟؟ تم اتنی

ارزاں نہیں ہو۔مت کرو خود کو اتنا بے مول سار یہ۔پلیز۔۔۔۔"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ آخری انسان ہے جسے میں نے چاہا ہے۔وہ آخری ہی ہے۔اسکے بعد اور کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔۔نہیں۔۔۔وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔۔۔۔"

وہ پھر سے وہی رٹ پکڑ چکی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ آئی سی یو میں تھی۔

کوریڈور میں رش لگا ہوا تھا۔اماں مسلسل رو رہی تھیں۔چاچی انہیں دلاسے دیتی ہوئیں،چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھیں۔سامنے بینچ پہ منظر حسین سر جھکائے، نم انکھوں سے بیٹھے تھے۔انکی اکلوتی بیٹی اندر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔

"ہم سارے مجرم ہیں اس کے۔ہم سب نے ظلم کیئے ہیں اس پہ۔وہ اکرام لگا کے ظالم بن گیا اور ہم اسکے لگائے الزامات کو سچ کہہ کر اس پہ ظلم کرتے رہے۔ہم سارے ہی مجرم ہیں اسکے"

اماں نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"بس صبر کر بھر جائی۔۔۔دعا کر۔۔۔۔اللہ بہتر کرے گا۔۔۔۔"

"وہ روتی رہی،اپنی بے گناہی کی صفائی دیتی رہی اور ہم نے اسکی ایک بھی نہیں سنی۔۔۔اعتبار ہی نہیں کیا۔۔۔۔"

"بس۔۔۔۔وہ ٹھیک ہو جائے گی۔۔۔۔بس ناں۔۔۔رونے کا کیا فائدہ۔۔۔۔"

باسط کانچ کی دیوار پہ ہاتھ ٹکائے کھڑا تھا۔

اس پار وہ کمزور سا وجود مشینوں کے درمیاں،نالیوں سے لپٹا بے ہوش پڑا تھا۔اس پہ سے سارے زمانے کی آفتیں گزر گئی تھیں اور اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔وہ جتنا خود کو جوڑتی تھی،کوئی نا کوئی توڑ جاتا تھا۔

تبھی اس کے فون کی بیل بجی تھی۔اس نے دیکھا وہ ساریہ کا فون تھا۔اس نے کال کاٹ دی اور فون بند کر دیا تھا۔اس وقت وہ کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عباس نے بھیگی نظروں سے چارپائی پہ پڑے اس زندہ لاشے کو دیکھا تھا۔اسکی نظروں

کے سامنے وہ کوئلہ ہو چکی سیاہ لاشیں آ گئی تھیں۔

"میں نے بڑی۔۔۔۔۔زیادتی کی۔۔۔۔میں نے وہ آگ۔۔۔۔۔۔میں نے بڑی

زیادتی کی۔۔۔۔۔۔مجھے معاف۔۔۔۔معاف کر دے۔۔۔۔میں نے۔۔۔۔۔"

اس نے نفی میں گردن ہلا دی تھی

"ناں سائیں۔ میرا ظرف اس لڑکی جتنا بلند نہیں ہے۔ میں اتنا رحیم نہیں ہوں۔ میں

یہ نہیں کروں گا"

وہ بھیگے مگر مضبوط لہجے میں بولتا جارہا تھا۔

"میں روز تجھے یہاں دیکھنے آؤں گا عادل تا کہ مجھے روز میرے ماں باپ کی یاد ائے اور

مجھے یاد رہے کہ تونے ان کے ساتھ کیا کیا۔ میں روز تجھے یوں دیکھنے آتا رہوں گا تا کہ

مجھے وہ سب یاد رہے جو تونے میرے ساتھ کیا۔ میں روز تیرا تماشہ دیکھنے آؤں گا لیکن

یاد رکھنا، معاف نہیں کروں گا۔ میرا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے۔ میں اتنا بڑا نہیں ہوں"

اس نے جھک کر ستون کے ساتھ رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور کندھے پہ ڈال کر پلٹ گیا تھا۔

پیچھے عادل روا چلاتا معافیاں مانگتا رہ گیا تھا۔ عباس نے رخسار پہ بہہ نکلے آنسوؤں کو بے

رحمی سے رگڑ ڈالا تھا۔

رات کا سیاہ آسمان اپنے دامن میں بے تحاشا ستارے سمیٹے بہت پر سکون تھا۔اسکی ٹھنڈی چھایا تلے،اس چھوٹے سے گھر کی چھت پہ منڈیر کے پاس وہ دونوں کھڑے آسمان کو دیکھ رہے تھے۔

"کہتے ہیں جو بھی اس دنیا سے چلا جاتا ہے ناں نور،وہ وہاں آسمان پہ چمکتا ستارہ بن جاتا ہے۔وہ سب جنہیں ہم بہت زیادہ چاہتے ہیں،وہ جو ہمیں ہم سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں،وہ سب ہم سے بچھڑیں تو تارے بن کر ہمیشہ کے لیئے وہاں رہ جاتے ہیں۔۔۔۔"

ماہ نور اسکی بات بغور سن رہی تھی۔باسط نے انگلی سے اس بے تحاشا چمکتے ستارے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"وہ دیکھو۔۔۔۔وہ وہاں۔۔۔۔وہ کتنا روشن ستارہ ہے ناں۔۔۔۔وہ تمہیں مرتضیٰ نہیں لگتا؟؟؟؟؟؟"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔باسط نے نرمی سے اسکا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"وہ ہمیشہ کے لئیے جا چکا ہے نور لیکن دیکھو تو وہ تمہارے پاس بھی ہے۔وہ تمہارے دل میں زندہ ہے۔تمہارے ساتھ ہے۔اسے وہاں زندہ رکھو لیکن یہ جان لو کہ تارے کبھی انسان کے دامن میں نہیں آ سکتے۔انکی جگہ وہاں ہے، آسمان میں"

ماہ نور کی آنکھوں میں ستارے جھلملا اٹھے تھے۔وہ آہستگی سے اسکے ساتھ لگ گئی تھی۔ باسط نے اسکے گرد بازو پھیلا لیا تھا۔

"باسط" !!!!!

یاد کی کچی ڈور ٹوٹ گئی تھی۔اس نے چونک کر دیکھا۔عباس اسکے برابر میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"وہ اب کیسی ہے؟؟؟؟"

"پتہ نہیں"

وہ بے بسی سے بولا اور سامنے دیکھنے لگا۔وہ دونوں برابر میں کھڑے، شیشے کی دیوار کے اس پار اسے بیڈ پہ پڑا دیکھ رہے تھے۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟؟؟؟"

"انہیں برین ٹیومر کا خدشہ ہے۔وہ سرجری کرنے والے ہیں"

اسکی آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

"وہ اتنی کمزور ہے۔وہ یہ سب کیسے برداشت کرے گی عباس۔۔۔۔"

"وہ بہت بہادر ہے۔اسے ہر مشکل سے نمٹنا آتا ہے۔وہ یہ بھی کرلے گی۔"

وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے پتہ ہے تم اسکے ساتھ ہو تو وہ ہر مشکل پار کرلے گی۔میں نے تمہیں اس کے لیئے ڈسٹرب ہوتے دیکھا ہے۔میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ پر سکون رہتی ہے۔مجھے پتہ ہے تم دونوں خوش رہو گے۔۔۔"

باسط اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

"اسے کچھ مت ہونے دینا"

بنا اسے دیکھے وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

وہ بہت دیر سے باسط کا نمبر ملا رہی تھی۔

وہ مسلسل بند تھا۔اس نے تھک ہار کر عمر کا نمبر ملایا تھا۔

"ہیلو عمر۔۔۔ تمھیں باسط کا پتہ ہے وہ کہاں ہے؟؟؟"

"وہ ہسپتال میں ہیں۔آج ماہنور کا آپریشن ہے"

وہ دھک سے رہ گئی تھی۔

"کونسا ہسپتال؟؟؟؟"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsa...

تھوڑی دیر بعد وہ چادر اوڑھے باہر نکل رہی تھی۔

حمنہ نے چونک کر دیکھا تھا۔

ڈاکٹر زین تھکے تھکے قدموں سے چلتے اندر داخل ہوئے تھے۔اس نے سوئے ہوئے اسامہ کو گود سے اتار کر وہیں صوفے پہ لٹایا اور انکی طرف آئی۔

"کیا ہوا؟؟؟؟ کہاں سے آرہے ہیں؟؟؟؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپکی؟؟؟؟ زین

؟؟؟؟"

وہیں وہیں فرش پہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے چلے گ ئے تھے۔کسی ہارے ہوئے انسان کی طرح۔

"زین۔۔۔۔میرا دل بیٹھا جارہا ہے۔۔۔۔بتائیں تو کیا ہوا ہے؟؟؟؟؟؟؟"

انہوں نے سر جھکا لیا تھا۔

"میں ہار گیا حمنہ۔۔۔۔پہلے میرا ضمیر ہار گیا اور آج میں خود ہار گیا۔۔۔۔اس پہ جو عذاب ٹوٹا ہے،اس میں میرا ابھی تو حصہ ہے۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔میں ایسے نہیں مرنا چاہتا۔۔۔۔حمنہ۔۔۔۔میں ایسے نہیں۔۔۔۔"

وہ ڈرے سہمے لہجے میں بول رہے تھے۔وہ نا سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھتی رہی تھی۔

"ہوا کیا؟؟؟.کون مر رہا ہے؟؟؟؟کیسا عذاب؟؟؟؟"

وہ روتے ہوئے ساری بات بتاتے چلے گ ئے تھے۔وہ شاکڈ بیٹھی رہ گئی تھی۔

"مجھے گِھن آرہی ہے حمنہ۔۔۔اپنے آپ سے۔۔۔میں نے۔۔۔میں نے سب برباد کر دیا۔۔۔میری وجہ سے گودیں اجڑ گئیں۔۔۔۔میری وجہ سے۔۔۔۔۔"

وہ ابھی تک سکتے کی حالت میں ہی تھی۔

ڈاکٹر زین ہولے سے اٹھے اور اسکے پاس سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔حمنہ نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی۔

کچھ دیر بعد سارا گھر گولی چلنے کی آواز سے گونج اٹھا تھا۔۔۔۔

وہ اسے آپریشن تھیٹر میں لے جا چکے تھے۔

وہ کنسینٹ فارم پہ دستخط کرتا ہوا رو پڑا تھا۔عباس نے اسکا کندھا دبایا تھا۔

"ہمت کر یار۔تو ہار گیا تو یہاں کتنے لوگ ہار جائیں گے۔سب سے بڑھ کر وہ بیچاری ہار جائے گی"

"میں ہارنے کے ڈر سے ہی تو ڈرتا ہوں"

وہ بلک رہا تھا۔

"میں اسے کھونا نہیں چاہتا عباس۔۔۔وہ میرے لئیے زمہ داری سے کچھ بڑھ کر بن چکی ہے۔۔۔سب کہتے ہیں کہ وہ میری عادی ہو چکی ہے۔۔۔اصل میں تو میں ہوں

جسے اسکی عادت پڑ چکی ہے۔۔۔۔مجھے اسکی ضرورت نہیں ہے، مجھے اس سے کسی شے کو خواہش نہیں ہے، لیکن پھر بھی۔۔۔۔پھر بھی میں اسے ہمیشہ پاس رکھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔میں اس سے محبت نہیں کرتا عباس لیکن پھر بھی۔۔۔۔پھر بھی میں اسے کھونا نہیں چاہتا ہوں"

وہ اسکے گلے لگ کر رو پڑا تھا۔

کوریڈور میں کچھ فاصلے پہ کھڑی ساریہ ششدر رہ گئی تھی۔اسکا ایک ایک لفظ کسی پتھر کے جیسے اسکے وجود کو لگا تھا۔وہ زخموں سے چُور ہو گئی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا"

"سب ٹھیک ہو جانا چاہئیے۔۔۔۔ورنہ کچھ بھی ٹھیک نہیں رہے گا۔۔۔۔"

حمنہ بے یقینی سے ماربل پہ دور تک پھیلتے خون کو دیکھ رہی تھی۔

سامنے ڈاکٹر زین کی لاش پڑی تھی۔انکی بے جان انگلی میں پستول جھول رہا تھا اور کنپٹی سے دور تک خون بہہ رہا تھا۔

وحشت زدہ آنکھوں کی پتلیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

نیچے اسامہ زور زور سے رو رہا تھا۔

"مجھے تم سے گِھن آ رہی ہے زین۔۔۔میں نے اٹھ سال تم جیسے گھناؤنے انسان کے ساتھ گزارے۔۔۔۔تمہاری زندگی بھی حرام کی تھی اور موت بھی حرام ہی چن لی۔۔۔۔"

وہ بے حس سی بیٹھی بولتی جا رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ساریہ ڈیڑھ گھنٹے تک وہیں کھڑی رہی تھی۔

اسکی نظروں کے سامنے۔اسکی ایک نظر کی منتظر۔اس نے تو اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔

وہ اسے مخاطب کرتی تو شائد وہ "آپ کون" بھی کہہ دیتا۔اسی لیئے اس نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔اسی لیئے وہ وہاں سے چلی آئی تھی۔

وہ اسے یوں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ بس آپریشن تھیٹر کے سامنے اضطراب کے عالم میں چکر کاٹ رہا تھا۔یا پھر وہاں اندر

آتے جاتے ہوؤں سے بے چینی سے کچھ کچھ پوچھتا رہا تھا۔

"آپریشن ہو گیا ہے۔ابھی وہ بے ہوش ہیں لیکن حالت خطرے سے باہر ہے"

"میں اسے دیکھ سکتا ہوں"

وہ بچوں کی طرح لجاجت سے پوچھ رہا تھا۔

اور بس ساریہ کی بس ہو گئی تھی۔

وہ واپسی کے لئیے پلٹ گئی تھی جب اس نے اسے اندر جاتے دیکھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsane|Articles|Books|Poetry|Interviews

عباس آہستگی سے اس کانچ کے پاس جا کھڑا ہوا اور نرمی سے ہاتھ اس پہ ٹِکائے۔سامنے بستر پہ وہ بے سُدھ لیٹی ہوئی تھی۔وہ بہت دیر تک کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔

وہ کمزور سی لڑکی ہمیشہ سے لڑتی ہی تو آئی تھی۔ کبھی معاشرے سے، کبھی مقدر سے، محبت سے، شوہر سے، جھوٹ سے، الزام تراشیوں سے، خود سے، موت

سے۔۔۔۔۔۔

اور اب

"تم جیت ہی گئیں آخر۔۔۔۔تم جیت ہی گئیں ماہ نور"

اس نے ہولے سے کہا تھا۔

تبھی اس نے دیکھا باسط اندر کمرے میں داخل ہوا تھا۔آہستگی سے چلتا ہوا وہ نوری کے پاس رکھے بینچ پہ جا بیٹھا تھا اور اسکا ہاتھ تھام لیا تھا۔

عباس نے آنکھیں موندلی تھیں۔اسکے گال پہ وہ ایک ننھا سا آنسو بہہ نکلا تھا۔

"وہ برین ٹیومر نہیں تھا۔آرٹری بلاکیج تھی جو ہم نے کھول دی ہے۔بائیوپسی میں بھی کچھ نہیں ہے۔وہ اب ٹھیک ہے"

وہ پہلے سے بہت بہتر تھی۔ہوش میں آتے ہی ماں باپ کو دیکھ کر مسکراتی رہی تھی۔باسط کی چھوٹی چھوٹی باتوں کے جواب دیتی رہی تھی۔وہ سب وہیں اسکے ارد گرد اکٹھے تھے۔اس سے باتیں کر رہے تھے، من ہی من اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔

تبھی وہ اندر آئی تھی۔

حمنہ۔۔۔۔ایک ہاتھ میں پھولوں کا بکے۔۔۔۔دوسرے کندھے پہ وہ بچہ۔۔۔۔

وہ چلتی ہوئی ماہ نور کے پاس آئی تھی اور اسے بغور دیکھتی رہی تھی۔

"تو تم ہو وہ بد نصیب جس کی آہیں مجھ پہ پڑ گئیں۔ تم ہو میرے شوہر کا وہ گناہ جسکی سزا میں نے کاٹی ہے۔"

وہ سب نا سمجھی کے سے انداز میں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"میں ڈاکٹر زین کی بیوی ہوں۔ انہوں نے کل رات خودکشی کر لی ہے۔ اپنے کیئے کی فصل کاٹنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ بزدل بہت جلدی ہار جایا کرتے ہیں"

وہ رو پڑی تھی۔ ماہ نور یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرے شوہر نے تمہاری گود اجاڑ دی، بدلے میں انکی اولاد ان سے چھین لی گئی۔ ہمیشہ کے لئیے"

اس نے آہستگی سے کندھے سے لگا وہ بچہ نور کی گود میں دیا تھا۔

وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"مم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرتضیٰ"

وہ سانس بھی نہیں لے پا رہی تھی۔ وہ جس کے پیچھے وہ سب ہار گئی تھی، وہ جس کی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جدائی میں وہ ختم ہو گئی تھی، وہ اسکی گود میں تھا۔آزمائش گزر چکی تھی۔اب انعام ملنے کا وقت تھا۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے، بے یقینی سے بچے کو چُھوا تھا۔

"مم۔۔۔۔۔۔میرا۔۔۔۔۔میرا۔۔۔۔۔میرا مرتضیٰ۔۔۔۔میرا پتر۔۔۔۔میرا۔۔۔۔۔"

اسکی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔وہ برسات تھی جو اسکے اندر کا غبار باہر نکال رہی تھی۔پاس ہی کھڑی حمنہ بھی رو رہی تھی۔

"یہ تمہارا بیٹا، تمہاری امانت۔۔۔۔"

اسکی نظروں کے سامنے منظر بدل رہے تھے۔

تکلیف سے کراہتی وہ اسے جنم دیتی ہوئی۔۔۔۔خون میں لتھڑا ذرا سا بچہ۔۔۔۔وہ حویلی کے صحن میں اسے لیئے پھرتی ہوئی۔۔۔۔وہ سوئے ہوئے مرتضیٰ کو پنکھا جھلتی ہوئی۔۔۔۔وہ اس رات روتی ہوئی۔۔۔۔وہ مار کھاتی ہوئی۔۔۔۔وہ پاگل بنی گلیوں میں بھٹکتی ہوئی۔۔۔۔

ظالم نے بڑا ظلم کیا تھا۔

اس نے کرب سے انکھیں موند لیں۔

اسکا تین ماہ کا بچہ گم گیا تھا۔وہ جو اسکی جان تھا۔وہ جو اسکی آغوش میں سکون پاتا تھا۔اب جو اسکی گود میں تھا وہ ڈیڑھ سال کا بچہ تھا۔وہ اسکے لئیے بھلے ماں تھی لیکن غیر شناسا تھی۔خون کی کشش اور ماماتا بھلے سے تھی لیکن وہ اسکی گود میں رو رہا تھا۔وہ اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا تھا۔اس ماں کے پاس جو اتنے عرصے سے اسے سنبھالتے ارہی تھی۔

وہ جو اسکی ماں نہیں تھی پر۔۔۔۔۔

نوری نے اسے سر تا پا دیکھا۔اسکا کیا قصور تھا؟اس نے سزا کیوں پائی تھی؟اسکی کوکھ کیوں اجڑ گئی تھی؟؟؟؟

حمنہ اسے بچہ دیکر پلٹنے کو تھی۔بچہ اسکی گود میں زور زور سے رو رہا تھا جب اس نے اسے پکارا تھا۔

ساریہ خاموش چھت پہ کھڑی تھی۔

آسمان پہ بدلیاں چھائی ہوئی تھیں۔دور بجلی چمک رہی تھی۔موسم کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔

وہ ہر شے سے بے نیاز کھڑی دور کسی شے کو گھور رہی تھی۔ذہن کے پردوں پہ باسط کی وہ چھپ چھپی تھی جب وہ اس کملی کے لیئے روتا ہوا،دعائیں کرتا ہوا یہاں وہاں بھٹک رہا تھا۔تب وہ اسے اپنا باسط نہیں لگا تھا۔وہ بہت پرایا سا لگا تھا۔

وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

آسمان پہ زور کی بجلی چمکی اور بارش برسنے لگی تھی۔وہ بھیگتی ہوئی وہیں چھت پہ کھڑی بلک بلک کر روتی رہی تھی۔

"باسط۔۔۔پلیز لوٹ آؤ۔۔۔پلیز۔۔۔۔میرے لئیے۔۔۔۔باسط۔۔پلیز۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اپنا بیگ کندھے پہ ڈالے سیڑھیاں اتر رہا تھا جب پیچھے سے باسط نے آواز دی تھی۔

"تم جا رہے ہو؟؟؟"

عباس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔باسط نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"لیکن تم اس سے ملے بھی نہیں عباس"

"میں اسکے ماضی کا کوئی خوبصورت قصہ نہیں ہوں۔ میرا وجود اسکی داستان کا ایک بھیانک حصہ رہا ہے باسط۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھے اور اپنی یادوں کے اس تکلیف دہ حصے کو کھرچ ڈالے۔"

وہ چپ رہ گیا تھا۔

دونوں بہت دیر تک خاموش کھڑے رہے تھے۔

"تم آج بھی اس سے محبت کرتے ہوناں؟؟؟"

عباس چپ رہ گیا تھا

"مجھے پتہ ہے۔ میں نے تمہیں دیکھا ہے۔ میں جانتا ہوں وہ تمہارے لئیے کیا ہے"

وہ زرا رکا تھا

"لیکن شائد میں خود غرض ہوں عباس۔ میں تمہارے لئیے قربانی نہیں دے سکوں گا

"

باسط نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"میں تم سے قربانی مانگوں گا بھی نہیں۔ مجھے پتہ ہے وہ تمہارے ساتھ خوش رہے گی۔

وہ خوش رہناڈیزرو بھی کرتی ہے۔اس نے بہت سہا ہے۔اب اسے اس سب کا صلہ ملنا چاہئیے۔اب اسے مکمل زندگی ملنی چاہئیے۔ "

وہ کہتا چلا گیا تھا۔

"میں تمہارے لئیے خوش ہوں باسط"

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تم نے عادل کو معاف نہیں کیا؟؟؟؟؟"

اس نے لمبی سانس بھری تھی۔

"ابھی نہیں کیا۔۔۔شائد کل کر دوں۔۔۔یا شائد آج ہی۔۔۔۔یا شائد کبھی نہیں۔۔۔۔"

وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

اب کے وہ آخری سفر جو اسے واپسی کے لئیے کرنا تھا۔

حمنہ ائیر پورٹ کے ویٹنگ روم میں بیٹھی تھی۔دس منٹ میں اسکی فلائیٹ تھی۔اس نے اپناہنڈبیگ فرش اپنے پاس رکھااور گود میں سوئے اسامہ کے بال پیار سے سمیٹے تھے۔

اسے وہ ہسپتال کا منظر یاد آیا تھا۔

ماہ نور وہ بچہ اسکی گود میں واپس ڈال چکی تھی۔وہ شائد قربانی کی انتہا تھی کہ وہ جگر کا ٹکڑا جس کے لیئے اس نے ساری دنیا بھلادی تھی،اب وہ اپنی رضا سے اسے سونپ رہی تھی۔

"میرے بیٹے کی بہت اچھی پرورش کرنا۔اسے اچھائی برائی میں فرق بہت اچھے سے سمجھانا۔اسے عادل سائیں سا جاہل مت بننے دینا۔اسے ڈاکٹر زین جیساپڑھالکھا بھی مت بنانا۔اسے۔۔۔۔۔۔۔"

اسکی نظریں بھٹکتی ہوئیں پاس کھڑے باسط کے چہرے پہ جاٹکی تھیں

"اسے دوسروں کا ہمدرد بنانا۔۔۔اسے اچھاانسان بنانا۔۔۔اسے بہت اچھاانسان بنانا۔۔۔۔"

حمنہ نے پیار سے اسکا ماتھا چوم لیا تھا۔کانوں میں ابھی تک ماہ نور کے جملوں کی بازگشت تھی۔

"اسے دور لے جانا، یہاں سے، مجھ سے،ان سب سے بہت دور۔۔۔"

"نیویارک جانے والی فلائٹ کے پیسنجر زاپنی سیٹوں پہ پہنچ جائیں"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اسامہ کو کندھے پہ ڈالے،بیگ لٹکائے وہ دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے۔۔۔۔۔۔

کچھ ہفتوں بعد:

سکول کی گھنٹی بجی تھی۔

بیگ ڈالے بچے،ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے کلاسوں سے نکلتے ہوئے جارہے تھے۔ہنسی مذاق،خوش گپیاں،چھیڑ خانیاں کرتے ہوئے۔۔۔

عباس بہت دیر تک گراونڈ میں کھڑا انہیں جاتا دیکھتا رہا تھا۔جنوری کی برفیلی سی ہوا اونچے اونچے درختوں میں شور مچا رہی تھی۔پیپیل کے پتے تالیاں بجا رہے تھے۔ مضمحل سا سورج خاموشی سے اس سردیلی ہوا کو اپنی من مانیاں کرتا دیکھ رہا تھا۔

چوکیدار اب کمروں کے دروازوں کو تالے لگا رہا تھا۔وہ خاموشی سے ٹہلتا رہا۔

وہ اسکے باپ کا خواب تھا جو پورا ہو چکا تھا۔اس کے ماں باپ کے لئیے صدقہ جاریہ۔وہ سکول اسکی ہی سرپرستی میں تھا۔وہ ویک اینڈز پہ چکر لگایا کرتا تھا۔اسکی اپنی شہر میں نوکری تھی۔ساتھ ساتھ وہ ادھوری رہ جانیوالی تعلیم پوری کر رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"صاحب جی دفتر کو تالا لگا دوں؟؟؟؟"

وہ چونک پڑا اور آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ چلا گیا۔عباس ہولے ہولے چلتا باہر نکل آیا تھا۔سامنے سے اتے آدمیوں نے اسے دیکھ کر ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا تھا۔اس نے خوشدلی سے جواب دیا تھا۔

"تو؟؟؟؟بس اتنا سا تھا؟؟؟؟داغ دھل گۓ اور تمہاری سزا ختم"

اس نے سوچا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا دور کھڑی گاڑی تک آیا تھا۔

سامنے دور تک پھیلے مالٹوں کے باغ تھے۔ کہرے میں ڈوبے سبز درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔

"لیکن ایک بات تو بتاؤ۔۔۔یہ اتنی محنت جو تم نے کی، یہ بھاگ دوڑ، یہ شہر گاوں کے چکر، یہ جان کو خطرے میں ڈالنا، یہ ریاضتیں۔۔۔۔یہ سب تم نے اپنے لیئے تو نہیں کیا ناں؟؟؟؟ تم تو اس الزام کے ساتھ بھی جی لیتے۔۔۔۔تمہیں اس سے کیا فرق پڑ جاتا۔۔۔۔"

وہ زرا اسا رکا تھا۔

"یہ سب اسکے لیئے تھا ناں؟؟؟؟؟"

اس نے آنکھیں موند کر لمبی سانس بھری تھی۔

ذہن کے پردوں پہ وہ یاد تھی۔

وہ غصے میں اسے دیکھتی ہوئی لڑکی۔۔۔۔جانے کا کا کہتی۔۔۔دور تک بکھرے ورق۔۔۔۔۔

اسکی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔

"تم آج بھی اس سے محبت کرتے ہو ناں؟؟؟؟؟"

ہسپتال میں باسط اسکے سامنے کھڑا، اس سے پوچھ رہا تھا۔

عباس نے ڈبڈباتی نظروں سے نیلے آسمان کو دیکھا تھا۔

"ہمیشہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"یار بھابھی آپ اتنا مزے کا کھانا بناتی ہیں۔سچ میں مزا آ گیا"

ڈائننگ ٹیبل پہ وہ تینوں موجود تھے۔

عمر نے کھانا کھاتے ہوئے اسکی تعریف کی تو وہ شرما کر مسکرا دی تھی۔

"میں تو میس کا وہ زہریلا بدمزہ کھانا کھا کھا کر تھک چکا ہوں سچی۔میرا دل تو چاہ رہا ہے کہ اب بس تین وقت کا میس یہی کھلوالوں آپکے کچن میں"

باسط نے اسے گھورا تھا۔

"میری بیوی تجھے خانساماں لگتی ہے سالے؟"

"نہیں آپکی بیوی میری بھابھی لگتی ہیں"

اس نے چڑایا تھا۔

"عمر بھائی آپ روز آسکتے ہیں یہاں"

"بکواس کرتا ہے یہ۔میں نے اسے کئی دفعہ کہا ہے کہ ہمارے ساتھ رہے، یہاں شفٹ کر جائے لیکن نہیں۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عمر ہنسا

"میں آزاد پنچھی ہوں یار۔۔۔۔میرا کوئی ٹھکانہ نہیں"

وہ دونوں بھی ہنس پڑے تھے۔

سارہ اس سنگلاخ بینچ پہ بیٹھی تھی۔

ہوا اسکے کندھوں پہ بکھرے بال اڑا رہی تھی۔پھولوں کے کیارے خاموش تھے۔

کہرے سے ویران پڑے گلابوں کے پودے سر جھکائے ہوئے تھے۔

تبھی اس نے اسے آتے دیکھا تھا۔اسکے دل کی دھڑکن بے تال ہونے لگی تھی۔وہ چلتا ہوا اسکی طرف ہی آرہا تھا۔ساریہ کی سانسیں اُتھل پُتھل ہونے لگی تھیں۔

وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھااور وہیں اسکے پاس بینچ پہ بیٹھ گیا تھا۔

وہ بہت دیر تک گردن موڑے اسے دیکھتی رہی تھی

"تم اجازت دو تو تمہیں چھو کر دیکھ لوں باسط؟ مجھے یقین کرنے میں دشواری ہورہی ہے کہ تم سچ میں یہاں ہو"

ساریہ نے ہولے سے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا تھا۔وہ خاموش سر جھکائے بیٹھارہا تھا۔

"تم نے مجھے یہاں بلایا، تمہیں کوئی بات کرنی تھی"

وہ زرار کی

"مجھے بھی تم سے بات کرنی تھی باسط۔۔۔۔۔میں اتنے دنوں سے یہی کرنے کی کوششیں کررہی تھی مگر تم۔۔۔۔خیر۔۔۔۔میں تم سے۔۔۔۔۔"

وہ بے ربط جملے بول رہی تھی۔

"مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے باسط۔ تم اسے بیشک مت چھوڑو۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔ کوئی ڈیمانڈ نہیں۔ کوئی فرمائش، کچھ نہیں۔ بس۔۔۔۔۔"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ باسط نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں یہ نہیں کر سکتا ساریہ"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"میں یہ نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔۔اپنے لئیے بھی نہیں۔۔۔۔"

ان دونوں کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"مجھے پتہ ہے تم جتنی محبت مجھ سے کرتی ہو اتنی کوئی کسی سے نہیں کرتا ہو گا۔ جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں اس سے بھی زیادہ وہ مجھ سے کرنے لگی ہے ساریہ۔ میں اسکے لئیے وہ سب محسوس نہیں کرتا جو تمہارے لئیے کرتا ہوں یہ سچ ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں جو اس کے لئیے محسوس کرنے لگا ہوں وہ تمہارے لئیے کبھی بھی نہیں کیا"

وہ بولتا چلا گیا تھا۔ وہ بھیگی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"میں اسے نہیں چھوڑ سکتا سار یہ۔۔۔۔۔۔میں شائد تمہیں چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔۔۔
"

وہ کرب سے آنکھیں موند کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے اس سے محبت نہیں ہے تو کیا ہوا۔۔محبت ہر رشتے کی بنیاد ہوتی بھی نہیں ہے۔۔۔کچھ رشتے زمہ داری پہ قائم ہوتے ہیں اور۔۔۔یقین کرو کچھ زمہ داریاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔۔۔محبت سے بھی زیادہ۔۔۔وہ ایسی ہی ایک خوبصورت زمہ داری ہے۔۔۔۔"

وہ زرا رکا۔

وہ بے آواز روتی ہوئی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دینا۔۔۔میں تمہارے لیئے واپس نہیں لوٹ سکا۔۔۔دعا ہے کہ کبھی لوٹ بھی نا سکوں۔۔۔۔۔مجھے معاف کر دینا سار یہ۔۔۔۔۔۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔وہ اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔اس نے ایک بار بھی اسے روکا نہیں تھا۔

وہ جانتی تھی وہ اسکے روکنے پہ، اسکے پکارنے پہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔۔۔

وہ وہیں بیٹھی بیٹھی روتی رہی تھی۔

سر جھکائے۔۔۔۔بے بسی سے۔۔۔۔اداسی سے۔۔۔۔

دور اس پار کھڑے عمر نے اس کملی کو بہت دیر تک دیکھا تھا۔اسے وہ وقت یاد آیا تھا جب اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر اسے وہ وقت یاد آیا تھا جب اس نے اسے اپنے یار کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔اسے یاد آیا جب اس نے محبت کو دوستی سے ہارتے دیکھا تھا۔اسے وہ یاد آیا جب اس نے خود کو قربانی دیتے دیکھا تھا۔

ہوا میں ہلکی سی نمی تھی۔آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ جلد بارش ہونے والی تھی۔

عمر نے اپنے ہاتھ جیبوں میں اُڑسے اور دور بینچ پہ بیٹھی، اس روتی ہوئی کملی کی طرف بڑھا تھا۔۔۔۔۔

❤ ختم شدہ ❤

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلیئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلیئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین